جلد 33 شمارہ 10 - صفر المظفر ۱۴۴۲ھ، اکتوبر 2020ء

جاری کردہ

قائد اہل سنت وکیل صحابہؓ مظہر شریعت و طریقت

حضرت مولانا **قاضی مظہر حسین** رحمہ اللہ

بانی تحریک خدام اہل سنت پاکستان

زیر نگرانی

جانشین قائد اہل سنت

حضرت مولانا قاضی **محمد ظہور الحسین اظہر** مدظلہ

امیر تحریک خدام اہل سنت پاکستان

خُدامِ اہلِ سنّت کی دُعا

خدایا اہلِ سُنت کو جہاں میں کامرانی دے
خلوص وصبر و ہمت اور دیں کی حکمرانی دے

تیرے قرآن کی عظمت سے پھر سینوں کو گرمائیں
رسول ﷺ اللہ کی سُنت کا ہر سو نور پھیلائیں

وہ منوائیں نبی ﷺ کے چار یاروںؓ کی صداقت کو
ابو بکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ کی خلافت کو

صحابہؓ اور اہلِ بیتؓ سب کی شان سمجھائیں
وہ ازواجؓ نبی ﷺ پاک کی ہر شان منوائیں

حسنؓ کی اور حسینؓ کی پیروی بھی کر عطا ہم کو
تو اپنے اولیاء کی بھی محبت دے خدا ہم کو

صحابہؓ نے کیا تھا پرچم اسلام کو بالا
انہوں نے کر دیا تھا روم و ایراں کو تہ و بالا

تیری نصرت سے پھر ہم پرچم اسلام لہرائیں
کسی میدان میں بھی دشمنوں سے ہم نہ گھبرائیں

تیرے کُن کے اشارے سے ہو پاکستان کو حاصل
عروج و فتح و شوکت اور دیں کا غلبہ کامل

ہو آئینی تحفظ ملک میں ختمِ نبوت کو
مٹا دیں ہم تیری نصرت سے انگریزی نبوت کو

تُو سب خُدام کو توفیق دے اپنی عبادت کی
رسول پاک ﷺ کی عظمت، محبت اور اطاعت کی

تیری توفیق سے ہم اہلِ سُنت کے رہیں خادم
ہمیشہ دین حق پر تیری رحمت سے رہیں قائم

نہیں مایوس تیری رحمتوں سے مظہرِ ناداں
تیری نصرت ہو دُنیا میں قیامت میں تیری رضواں

2
یا اللہ مدد
اصلی کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
تحریک خدام اہل سنت کا ترجمان نظام خلافت راشدہ کا داعی
ابوبکر صدیق
عمر فاروق
ماہنامہ
حق چار یار رضی اللہ عنہم
لاہور
عثمان ذوالنورین
علی المرتضیٰ
جلد 33 شمارہ 10 - صفر المظفر ۱۴۴۲ھ، اکتوبر 2020ء
جاری کردہ
قاضی مظہر حسین
تحریک خدام اہل سنت پاکستان
زیر نگرانی
قاضی محمد ظہور الحسین اظہر مدظلہ
امیر تحریک خدام اہل سنت پاکستان
نائب مدیر
ماسٹر منظور حسین صاحب
مدیر مسئول
حافظ محمد مسعود صاحب
قاضی طاہر حسین جرار صاحب 0333-5783036
بدل اشتراک
رابطہ
دفتر ماہنامہ حق چار یار متصل جامع مسجد میاں برکت علی
مدینہ بازار، ذیلدار روڈ اچھرہ لاہور
0322-4135093
0302-4166462
042-37427872
پبلشر حافظ محمد مسعود نے افضل شریف پرنٹرز سے چھپوا کر ذیلدار روڈ اچھرہ لاہور سے شائع کیا۔

فہرست مضامین

”ماتم داری“ اور ارشادات سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

حضرت مولانا قاضی محمد ظہور الحسین اظہر مدظلہ ☆

اسلامی سال ہجری کے بارہ مہینے جس روز سے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ان میں سے چار حرمت والے ہیں۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب۔ اِحکام الٰہی سے سرتابی ہر وقت بُری ہے۔ لیکن ان حرمت والے مہینوں میں نافرمانی بہت ہی قبیح ہے۔ اس لیے خصوصی طور پر ان مہینوں میں نافرمانی سے باز رہنے کی تاکید فرمائی۔ لیکن یہی سب سے بڑی بدبختی ہے کہ انسان گناہوں کو ثواب اور مضر چیزوں کو نفع رساں سمجھ کر اختیار کر لیتا ہے اور یہ شیطان کا وہ دامِ فریب ہے۔ جس سے توفیق الٰہی کی یاوری کے بغیر کوئی بچ نہیں سکتا۔

② حرمت والے مہینوں میں سے سال ہجری کا پہلا مہینہ محرم الحرام ہے۔ جس کی یکم تاریخ مراد رسول فاتح اعظم، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ اور دس تاریخ ۶۱ھ میدانِ کربلا میں نواسہ رسول، جگر گوشہ بتول اِمام عالی مقام سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے دیگر بھائی سید ابوبکر، سید عمر اور سید عثمان اور دیگر عزیز و اقارب سمیت یزیدی فوج کے ہاتھوں جامِ شہادت پی کر زندہ جاوید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئی کے مطابق سید الشباب اہل الجنۃ کے عظیم الشان مرتبہ پر فائز ہو گئے۔

کرتی رہے گی پیش شہادت حسین کی	آزادی حیات کا یہ سرمدی اصول
چڑھ جائے کٹ کے سر ترا نیزے کی نوک پر	لیکن یزید کی اطاعت نہ کر کے قبول

(مولانا ظفر علیؒ خان)

③ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئی کے مطابق فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت اور مدّ مقابل شیعہ کے درمیان کلمہ طیبہ اور لاریب کتاب قرآن مجید سے لے کر وضوء تک اختلاف پایا جاتا ہے لیکن محرم اور صفر کے مہینوں میں ماتمی جلوس اہل سنت والجماعت کے محلوں، گھروں، مساجد اور مدارس کے سامنے سے گزرتے وقت اِشتعال انگیزی پر مبنی نوحہ خوانی، جس کی وجہ سے دن بدن باہمی

☆ امیر تحریک خدام اہل سنت والجماعت، پاکستان 0453-543444

منافرت بڑھتی جارہی ہے، نیز ہر سال ماتمی جلوسوں کی وجہ سے متعدد مقامات پر فرقہ وارانہ فسادات رونما ہوتے رہتے ہیں۔

④ تحریک خدام اہل سنت والجماعت ملک میں امن و امان رکھنے کی خاطر شیعہ حضرات کے منصف مزاج علماء اور لیڈر حضرات سے مطالبہ کرتی ہے کہ آیئے خاتم الخلفاء موعودہ، باب العلم، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی روشنی میں اپنی ماتمی روش پر نظرِ ثانی کریں۔

وَمِنْ کَلَامٍ لَهٗ فِی التحکیم......فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ الخ (سورہ نسآء، آیت نمبر ۵۹) ترجمہ: شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد دہلوی......''پھر اگر کسی معاملے میں تم میں آپس میں جھگڑا ہو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو۔ بشرطیکہ تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو'' ......شیر خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں ارشاد فرمایا فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ کا مطلب یہ ہے اَنْ تَحْکُمْ بِکِتَابِهٖ کہ کتاب اللہ پر فیصلہ کیا جائے اور فَرُدُّوْهُ اِلَی الرَّسُوْلِ کا معنی یہ ہے کہ حضور کی سنت پر عمل کیا جائے'' نہج البلاغہ جلد دوم ص ۵، مطبوعہ بیروت''۔

سب سے پہلے کتاب اللہ: رب العزت نے ارشاد فرمایا یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ الخ پ ۲۸۔ ترجمہ: مولوی مقبول احمد دہلوی......اے نبی جب ایمان لانے والی عورتیں تمہارے پاس اس شرط پر تمہاری بیعت کرنے آئیں کہ نہ وہ کسی چیز کو اللہ کا شریک قرار دیں اور نہ چوری کریں اور نہ زنا کریں اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں اور نہ اپنے شوہروں پر اپنے ہاتھوں اور پیروں کے مابین کوئی بہتان باندھیں ''یعنی غیر کے بچے کو شوہر کا نہ قرار دیں''۔ اور نہ کسی نیکی میں تمہاری نافرمانی کریں تو ان کی بیعت قبول کر لو۔ اور ان کے بارے میں خدا سے مغفرت مانگو۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے'' ترجمہ ختم'' اور وَلَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ اور نہ کسی نیکی میں تمہاری نافرمانی کریں۔ امام حسن عسکری سے براہِ راست فیض پانے والے شیخ قمی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر عورتوں سے بیعت لی تو حارث بن عبدالمطلب کی بیٹی ام حکیم نے عرض کیا: یارسول اللہ...... اللہ تعالیٰ نے جس معروف ''نیکی'' کا ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم اس میں آپ کی نافرمانی نہ کریں وہ کیا ہے...... تو آنحضرت نے فرمایا کہ تم اپنا منہ نہ نوچو اور رخسارے نہ پیٹو، اور بال نہ نوچو، اور گریبان نہ پھاڑو، اور کپڑے کالے نہ رنگو، اور ویَن اور ہلاکت نہ پکارو، اور کسی قبر کے پاس نہ کھڑی ہو۔ پس ان شرطوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں سے بیعت لی......اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ایک سو مقام پر صبر کی تلقین فرمائی ہے۔

ماتم اور سوگ کی تعریف: ماتم کسی کی موت پر بلند آواز سے رونا، سیاہ لباس پہننا، بال نوچنے

، ران، سینہ اور چہرہ پیٹنا...... سوگ کسی کی موت پر اچھا لباس نہ پہننا، خوشبو استعمال نہ کرنا، زیب و زینت، ہارسنگار، شادی بیاہ اور خوشی کے دیگر کاموں کو چھوڑ کر غمزدوں کی طرح رہنا۔

فرمان ابوالائمہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ: آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد فرمایا لَوْلَا اَنَّکَ اَمَرْتَنَا بِالصَّبْرِ وَنَهَيْتَنَا عَنِ الْجَزْعِ لَنَفِزْ نَا عَلَيْكَ مَا الشُّئُوْن۔ یارسول اللہ اگر آپ نے ہمیں صبر کا حکم نہ فرمایا ہوتا اور رونے پیٹنے سے منع نہ کیا ہوتا تو آج ہم آنکھوں کا پانی خشک کر دیتے ''نہج البلاغہ جلد دوم، ص ۲۲۸، مطبوعہ بیروت''۔

امام جعفر صادق کا فرمان: قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ضرب المسلم يده على فخزه عندالمصيبة اخبائم بهمله کہ مصیبت کے وقت پیٹنے سے مؤمن کے نیک عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔ ''فروع کافی''۔

فتویٰ امام جعفر صادق رحمہ اللہ: عن ابى عبدالله...... قال الصَّبْرُ مِنَ الْاِيمانِ بمنزلةِ الرّاسِ مِنَ الْجَسَدِ فاذا ذَهَبَ الرّاس ذهبَ الجسد كذالكَ اِذا اذهب الصّبر ذَهَبَ الايمان ''اصول کافی مصدقہ امام مہدی'' صبر ایمان کے لیے ایسا ہے جیسا کہ جسم کے لیے سر، پس جب سر نہ رہے تو جسم نہیں رہتا، اسی طرح جب صبر نہ رہے تو ایمان نہیں رہتا۔ ''اصول کافی''

① سب سے پہلے ماتم کوفہ میں قاتلان حسین نے کیا اور انہوں نے ہی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو دعوت دی تھی...... پس بیس ۲۰ ہزار مردم عراقی نے امام حسینؓ سے بیعت کی اور جنہوں نے بیعت کی تھی خود انہوں نے تلوار امام حسینؓ پر کھینچی اور ہنوز بیعت ہائے امام حسین ان کی گردنوں میں تھی کہ امام حسینؓ کو شہید کیا (جلاء العیون ج ۱، ص ۳۵۸)

② یزید کی ہند دختر عبداللہ بن عامر اس نے پردہ کا خیال نہ کیا اور گھر سے نکل کے مجلس یزید ملعون میں جس وقت کہ مجمع عام میں تھا۔ آ کے کہا اے یزید تو نے سر مبارک امام حسین پسر فاطمہ زہرا کا میرے دروازہ پر لٹکایا ہے یزید نے دوڑ کے کپڑا اس کے سر پر ڈال دیا اور کہا۔ گھر میں چلی جا اور گھر میں جا کر فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم خدا بزرگ قریش پر نوحہ وزاری کر۔ ابن زیاد نے ان کے بارہ میں جلدی کی میں ان کے قتل پر راضی نہ تھا۔ (جلاء العیون، ج دوم، ص ۲۹۶، مصنفہ ملا باقر مجلسی)

محترم قارئین! ہم نے شیعہ کتب کے حوالہ جات پیش کر دیئے ہیں۔ کیا ان واضح ارشادات کے بعد بھی شہداء کے مروجہ ماتم کی گنجائش نکلتی ہے؟ کیا اپنی کتب میں باب العلم سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ارشادات کو نقل کرنے کے بعد ان کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے بھی خود کو ''شیعان علی'' کہا جا سکتا ہے۔'' فاعتبروا یااولی الابصار

فیوضاتِ مظہرؒ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قرآنی وایمانی صفات

قائد اہل سنت وکیلِ صحابہؓ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ ☆

درسِ قرآن ! ۱۰ ر رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ	ضبط وترتیب: ماسٹر منظور حسین

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم○ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○

وَ اِنْ كُنْتُمْ عَلٰی سَفَرٍ وَّ لَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَ لَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَ مَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ○ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ○ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ○

ترجمہ: ’’اور اگر ہو تم اوپر سفر کے اور نہ پاؤ تم کوئی لکھنے والا۔ تو گروی رکھ لو پس اگر اعتبار کرتا ہے تم میں سے بعض بعض پر۔ تو چاہیے کہ ادا کرے وہ شخص اس کی امانت کہ جس پر اعتبار کیا گیا تھا اور چاہیے کہ ڈرے وہ اپنے اللہ سے جو اس کا ربّ ہے اور نہ چھپاؤ تم گواہی کو، اور جو شخص گواہی کو چھپائے گا، تو بے شک وہ گناہ گار ہے دل اس کا، اور جو تم عمل کرتے ہو اللہ اچھی طرح جاننے والا ہے اس کو۔ الخ۔‘‘ (سورۃ البقرۃ: آیت نمبر ۲۸۳ تا ۲۸۵)

○...... برادرانِ اہل سنت والجماعت! اس سے پہلے قرضے کا بیان تھا کہ ادھار لینے کے لیے تحریر ہو جائے اور گواہ بنا لیے جائیں تو بعد میں جھگڑے کا کم احتمال ہوتا ہے۔ اب سفر کی بات ہے کہ بعض دفعہ سفر میں آدمی کا مال ضائع ہو جاتا ہے، یا کم ہو جاتا ہے، تو دوسرے سے کچھ رقم لینے کی ضرورت پڑتی ہے اور تم کو لکھنے والا نہ مل سکے، سفر ہے، واقفیت بھی نہیں تو جس شخص سے تم قرض لو، تو کوئی چیز اس کے پاس

☆ بانی تحریک خدام اہل سنت والجماعت پاکستان، خلیفۂ مجاز شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

گروی رکھ دو، اپنی کوئی چیز اعتبار کے لیے اس کے پاس رکھ دو۔ کہ اگر میں قرضہ دے دوں تو یہ چیز واپس لے لوں گا۔ گروی کی شرط یہ ہے کہ اس کے ہاتھ میں، اس کے قبضے میں دے دے۔ اس کے قبضے میں نہ دے تو وہ شرعاً گروی کے حکم میں نہیں ہوگی۔ تو اب یہ اعتبار کی بات ہے اس نے ادھار دے دیا، اس نے اپنی امانت اس کے پاس گروی رکھ دی۔ جب وہ ادھار واپس دے دے، تو وہ اس کی واپس کر دے۔ بس معاملہ ختم ہوگیا۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی کے پاس جو چیز رہن رکھی جاتی ہے تو وہ دیتا نہیں یا اس میں سے کچھ حصہ لے لیتا ہے، اس طرح کے جھگڑے ہوتے ہیں اور بنیاد اس کی بددیانتی پر ہوتی ہے۔ سچائی اور دیانتداری ہو تو کوئی مسلمان ایسا نہیں کرتا۔ اسی لیے فرمایا ''وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ'' اللہ سے ڈرتا رہے جو اس کا ربّ ہے یعنی سب اللہ کے خوف پر مبنی ہے۔ جو چیز گروی رکھتے ہیں جائز ہے لیکن اس شرط پر کہ اس سے وہ نفع نہ اٹھائے۔ مثلاً ایک آدمی نے قرض لیا ہے اور اس کے بدلے میں زمین دوسرے کے پاس رہن رکھ دی، اب وہ اگر اس زمین سے نفع حاصل کرتا ہے تو وہ نفع اس ادھار میں سے کاٹ لے۔ مثلاً جس کے پاس وہ زمین گروی ہے، تو اگر خود اس کو بوتا ہے تو وہ مزارع بن گیا۔ ادھا حصہ یا جو رواج ہے بطور مزارع کے لینے کا۔ اس فصل میں سے وہ تو لے سکتا ہے لیکن دوسرا جو ادھا حصہ ہے وہ اگر لے تو پھر وہ سمجھے کہ اتنا قرضہ میرا ادا ہوگیا۔ اور وہ آدھا بھی نہیں دیتا کھا جاتا ہے اور پھر جب ادھار اس کو واپس ملتا ہے تو زمین چھوڑ دیتا ہے، ادھار بھی پورا واپس لیتا ہے، تو یہ جو اس نے زمین سے کھایا ہے یہ سود ہے، حرام ہے۔ کیونکہ سود وہی ہے کہ جتنے پیسے دیئے ہیں اس سے زائد لے۔ یہ اچھی طرح سمجھ لو!

دوسری چیز، اگر کوئی ایسی چیز گروی ہے کہ جس کو وہ استعمال کرتا ہے، اس سے فائدہ اٹھاتا ہے تو وہ بھی ناجائز ہے، کیونکہ یہ سود میں شمار ہوگا۔ تیسری بات، پھر اگر جو امانت اس کے پاس رکھی گئی ہے، اس میں اپنی طرف سے پوری حفاظت کی کوشش کی ہے لیکن چور لے گئے یا ڈاکو، تو اس کے ذمہ وہ نہیں، کیونکہ وہ مجبور ہے۔ مالک کے گھر میں وہ چیز ہوتی پھر بھی چور لے جاتے۔ لیکن اگر حفاظت میں اس نے بے احتیاطی کی، یعنی حفاظت کرتا تو چور نہیں لے سکتے تھے تو وہ ذمہ دار ہے۔ وہ چیز اس کو دینی پڑے گی، بہرحال اس کی تفصیلات ہیں، ہر حالت میں دیانتداری جو ہے یہ ضروری ہے۔

○...... ''وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ'' اور شہادت کو مت چھپاؤ۔ اگر تم کسی معاملے میں گواہ بن

گئے ہو، اور پھر تمہیں شہادت کے لیے طلب کیا جاتا تو شہادت پوری پوری دو۔ اس وقت رو رعایت نہ کرو۔ کیونکہ وہ بھی ایک بددیانتی ہے۔ ''وَ مَنْ یَّكْتُمْهَا ''اور جس نے اس شہادت کو چھپایا، صحیح شہادت نہیں دی، کچھ حصہ اس میں جو ضروری تھا، وہ بیان نہیں کرتا ''فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ''تو وہ دل کا گنہگار ہے، اس کے دل میں گناہ ہے اور آدمی بھی عجیب ہے کہ دوسرے کے نفع کے لیے خود گناہ گار بنتا ہے۔ ''وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بصیر ''اور جو تم عمل کرتے ہو، اللہ تو جانتا ہے۔ جو تم نے شہادت کو چھپایا یا امانت میں خیانت کی، کسی کو نہ معلوم ہو، تو اللہ تو جانتا ہے تو یہ معاملات جو ہیں سب کا تعلق اللہ سے ہے، جن کو حقوق العباد کہا جاتا ہے۔ وہ حق بھی اللہ نے ایک دوسرے پر، بندوں کے لازم کیا ہے۔ وہ گویا اس واسطہ سے اللہ کا حق ہے۔ اللہ کا حکم ہے تو اس میں آدمی کسی طرح یہ خیال نہ کرے کہ چونکہ دوسرا آدمی نہیں دیکھ رہا اس لیے میں خیانت کرلوں، ہضم کرلوں۔ بعض دفعہ جس نے امانت رکھی تھی وہ مرجاتا ہے۔ اس کا علم کسی کو نہیں ہوتا، گھر والوں کو پتہ ہی نہیں کہ اس نے امانت رکھی تھی، لیکن اس پر لازم ہے کہ وہ امانت وارثوں کو واپس کردے۔ کیونکہ یہ تو جانتا ہے اور اگر وارث نہیں ملتا بعض دفعہ ایسے واقعات ہیں، وارث نہ رہے، انقلاب آگیا پتہ بھی نہیں کہ کہاں ہے؟ تو یہ اس کے ذمہ ہے معاف نہیں ہوا۔ اگر وہ مرنے والا مسلمان ہے تو اس کے نام پر اللہ کی راہ میں صدقہ دے دے تو بری الذمہ ہو جائے گا۔ تو یہ اتنا سخت حکم ہے، معاملات میں، لین دین میں اور اسی میں ہم آج سب سے زیادہ کمزور ہیں اور اس کی وجہ صرف لالچ ہے یاد رکھو! حرص اور طمع بہت سخت بیماریاں ہیں آدمی لاکھوں میں کھیل رہا ہوتا ہے، دل کی بھوک نہیں ختم ہوتی۔ دھوکہ دیں گے، جھوٹ بولیں گے۔ بددیانتی کریں گے، حرام کھائیں گے۔ حالانکہ ان کے پاس مال اتنا ہوتا ہے کہ ساری عمر بھی کچھ نہ کمائیں، تو ان کے لیے کافی ہے۔ اس لیے نبی کریم ﷺ کا یہ جو ارشاد ہے ''حُبّ الدنیا راس کل خطیۃ'' دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔ یہ بڑا عجیب ارشاد ہے۔ سارے ارشادات عجیب ہیں لیکن بعض میں جامعیت ہوتی ہے۔ محبت کا معنیٰ کیا ہے؟ کہ دولت، مال، عزت جو ہے اُس کے دل میں گھس گئی ہو۔ ہاتھ میں ہونا اور بات ہے دل میں ہونا اور ہے۔ محبت کی علامت یہ ہوتی ہے کہ اگر دولت جائے تو اس کو سخت غم ہوتا ہے۔ کیونکہ محبوب چیز کے جانے سے انسان کے دل پر چوٹ لگتی ہے۔ صدمہ ہوتا ہے۔ اگر مال پیارا ہے تو مال نکالنے میں اس کے دل پر صدمہ ہوتا ہے۔ زکوٰۃ نہیں دے گا، پوری نہیں دے گا، ضرورت مند کی حاجت پوری نہیں کرے گا، اور دل میں محبت نہ ہونے کی

علامت یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں دیتا ہے، خوشی سے دیتا ہے، دینے میں لذت ہے تو معلوم ہوا کہ اس کے ہاتھ میں ہے دل میں نہیں۔

○...... ہر آدمی کی بیماری جدا ہوتی ہے۔ کسی میں کوئی عیب ہے، دوسرے میں کوئی اور عیب ہے، ہر آدمی یہ دیکھے کہ میرے اندر عیب کیا ہے؟ ہم دوسرے کا عیب تو دیکھتے ہیں اپنا نہیں دیکھتے۔ ہر آدمی دیکھے کہ مجھ میں نقص اور کمزوری کیا ہے؟ اس کو دُور کرے، خواہ دوسرا جانے یا نہ جانے۔ معمولی بیماری کی اصلاح کے لیے ہزار ہا روپے آدمی خرچ کرتے ہیں، گولیاں، ٹیکے خدا جانے کیا کیا کرتے ہیں۔ خرچ تو لوگ کرتے ہیں لیکن نفس کے لیے خرچ کرنا اور بات ہے خوشی محسوس کرتے ہیں وہ نفسانی خوشی ہے، حقیقی خوشی نہیں ہوتی۔ وہی دولت اپنے ایمان کے نفع کے لیے، اللہ کی رضا کے لیے، اللہ کے دین میں یا قوم کے فائدہ کے لیے خرچ نہیں کریں گے تو دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔

○...... دنیا کی محبت مراد ایک تو مال کی محبت ہے، دولت کی۔ دوسری دنیا کی محبت سے زیادہ سخت بیماری ہے وہ ہے جاہ، یہ سمجھ لو۔ بعض لوگ پیسہ خرچ کرتے ہیں لیکن اپنی عزت بناتے ہیں۔ اس سے لذت ہوتی ہے۔ یہ بھی دنیا کی محبت ہے یہ اس سے زیادہ سخت بیماری ہے۔ پیسہ پانی کی طرح بہائیں گے اس لیے کہ لوگوں کے دلوں میں ہماری قدر ہو، عزت ہو۔ یہ بھی دنیا ہے اس کو جاہ کہتے ہیں یہ بیماری بہت سخت ہے، عبادت کرنے والا، اللہ اللہ کرنے والا بھی اس سے پاک اور محفوظ نہیں ہوتا۔ اگر توبہ کرے تو ہوسکتا ہے اس کی یہ بیماری کم ہوجائے۔ ورنہ اس کی عبادت کی وجہ سے اس کی یہ بیماری بڑھے گی۔ حُبِ جاہ۔ بزرگی کی خواہش کہ لوگ بزرگ سمجھیں یہ زیادہ سخت بیماری ہے اور آج کل تو یہ عام ہے۔ تصوف جو پہلے زمانے میں تھا، حقیقی تصوّف تھا، دل کو ہر غیر اللہ سے پاک کرنا۔ غیر کی محبت سے دل کو پاک کرنا۔ تو ان زمانوں میں ایسے لوگ بزرگ زیادہ ہوتے تھے کیونکہ زمانوں کے اثرات ہوتے ہیں۔ آج ایسے لوگ بہت کم رہ گئے ہیں کہ جن کے دلوں میں یہ بیماری نہ ہو یا کمزور ہو۔ حُبِ جاہ کی بیماری یہ بہت گہری بیماری ہے۔

○......اس کے بھی دو درجے ہیں ایک ہے تکبر، تکبر کا معنی، اپنے نفس کے لیے اپنی بڑائی کا اظہار۔ لوگوں کے سامنے اپنے کمالات بیان کرنا، نفس کے لیے، کہ وہ مجھے باکمال سمجھیں اور ظاہر کرنا زبان سے۔ اور اس کے اندر یہ چیز پوشیدہ ہوتی ہے، جاہ کی اور ایک ہے عُجب، خود پسندی، یہ بھی

بیماری ہے، یہ ظاہر نہیں ہوتی۔ اپنی جگہ وہ سمجھتا ہے، میں بہت کچھ ہوں۔ کوئی تعریف کرتا ہے تو وہ اندر سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے، اپنی تعریف کی وجہ سے، اس کو کہتے ہیں خود پسندی، اور اگر کوئی اس کی برائی کرتا ہے تو محض اس وجہ سے اُس سے نفرت کرتا ہے کہ اس نے میری برائی کیوں کی۔ تو یہ بھی بیماری ہے۔ اصلاح یہ ہے کہ اپنی ذات کے لیے دوستی، دشمنی نہ رکھے۔ ہے تو مقام مشکل۔ اللہ کا فضل ہو تو آسان ہے لیکن آدمی بیماری نہ سمجھے تو وہ تو ساری عمر بیماری دور ہوتی نہیں۔ بیماری سمجھے تو علاج کرتا ہے تو اس لیے پہلے زمانوں میں بزرگ بڑے بڑے مجاہدے کرتے کراتے تھے تاکہ ان بیماریوں سے نجات ہو۔ آج یہ نہیں کہ ایسے بزرگ ہیں ہیں۔ ہیں لیکن کمی ہے، ہر کمال میں کمی رہ گئی ہے۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کا بڑا مقام تھا۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ سے پیرومرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ نے پوچھا۔ اپنے حالات بتائیں۔ تو حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے اس قسم کے الفاظ لکھے کہ ”آپ کی جوتیوں کے طفیل“ اندازہ کرو ہمارے بزرگوں کا ادب، لوگ پروپیگنڈہ کرتے ہیں بے ادبی کا۔ کسی مقبول شخصیت کے طفیل مانگنا یہ جائز ہے، بلکہ دعا میں زیادہ مفید ہے۔ لیکن حضرت یہاں تو فرما رہے ہیں ”آپ کی جوتیوں کے طفیل“ اندازہ کرو، ذات تو ذات رہی۔ انتہائی گویا تواضع ہے، انتہائی درجے کا توسّل ہے۔ یہ گویا جواب میں عرض کرتے ہیں کہ ”میرے لیے شریعت طبیعت بن گئی ہے۔“ بھئی طبیعت کیا ہے؟ یہ میری طبیعت چاہتی ہے، آدمی طبیعت پر ضرور عمل کرتا ہے، اس میں لذت ہے تو جو شریعت ہے وہ میری طبیعت کی طرح، سبحان اللہ! کتنا بڑا مقام ہے۔ دوسرا، ”کسی کی دوستی اور دشمنی میرے لیے برابر ہے“ کوئی میری برائی کرے تو میرے دل پر اثر اس لیے نہیں کرتا کہ چونکہ اس نے میری برائی کی ہے اس وجہ سے میں اس سے نفرت کروں اور میری تعریف کی ہے مدح کی ہے تو اس وجہ سے میرے دل میں اس کی قدر آ جائے۔ ان دونوں چیزوں سے گویا بلند ہونا، کتنا بڑا مقام ہے۔

مقامِ صحابہ رضی اللہ عنہم

تو اندازہ کریں کہ امت کے اولیاء اللہ میں بھی ایسے مقام والے آتے ہیں تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کتنا بلند مقام ہوگا؟ مگر آج رافضی دوسرے صحابہ تو پھر بعد کے ہیں حضرت صدیق اکبر یا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہم، یا خلفائے راشدین پر اور خارجی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق جو

لکھ رہے ہیں ان کے خلوص پر گویا اعتراض حملے ہو رہے ہیں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق وہ عباسی صاف لکھتا ہے کہ وہ اقتدار کے لیے اور ان سب کا نظریہ یہی ہے......ادھر سُنّی جو ہے یہ بیچارہ مقامِ صحابیت سمجھتا ہی نہیں ہے، اس کی تبلیغ ہی نہیں رہی، محنت ہی نہیں رہی۔ اس لیے جو بیچارہ شیعوں سے چڑھتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ یہ لوگ ٹھیک ہیں۔

○......اب جس کو ''میں'' کہتے ہیں ''انانیت''۔ تو انانیت کی اصلاح، یہ بہت ضروری ہے ہر آدمی خواہ کیسا ہی ہو۔ ٹٹولتا رہے اپنے دل کو۔ کہ میرے اندر جاہ کی محبت تو نہیں اور محققین نے یہ لکھا ہے کہ صدیقوں سے اگر کوئی آخری بیماری دُور ہوتی ہے تو یہ جاہ کی محبت ہے تو یہ سب سے آخر میں نکلتی ہے۔ اندر اتنی، تہہ میں گھسی ہوتی ہے کہ خود آدمی بھی نہیں سمجھ سکتا، کہ میرے اندر حُبِ جاہ ہے یا کس درجے کی ہے؟ تو بہرحال ہر آدمی بڑی احتیاط کرے۔ موت تک کوئی اعتبار ہی نہیں کہ آدمی جو ہے وہ کیا ہوگا، کیا کرے گا؟ موت تک خوف ہے تو میرا مقصد یہی ہے کہ اصلاح، ذکر فکر میں لگا رہے۔ ''وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِیۡمٌ'' اور جو تم عمل کرتے ہو اللہ ان کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔ تو دنیا کی دیانت ہو، امانت ہو، خیانت ہو، یا دین کے علم کی امانت ہو یہ ساری جتنی بھی انسان کے اندر ہیں سب کو اللہ جانتے ہیں۔ عالم کو اللہ نے جو علم دیا ہے، اس کا فضل سمجھے۔ اس کی وجہ سے وہ مغرور نہ ہو، عابد کو جو اللہ نے عبادت کی توفیق دی اس کو اللہ کا فضل سمجھے، اس کی وجہ سے اس کی نفسانیت نہ بڑھ جائے اور زیادہ توبہ استغفار کرے۔

○......''لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ'' اب گویا مضمون یہی ہے کہ بندہ یہ سمجھے کہ میں بھی آسمان اور زمین کی مخلوق کا ایک فرد ہوں، ایک ذرہ ہوں، آسمان و زمین کی وسعتیں یہ سب اللہ کے قبضے میں ہیں، اسی نے ہی ان سب کو پیدا کیا، پھر اسی کا قبضہ ہے، اختیار ہے، کیسی اللہ کی عظیم ہستی ہے؟ نظر نہیں آتا لیکن آثار و نشانیاں ایسی ہیں کہ بندے کو یقین ہو جاتا ہے کہ کوئی ایسی ذات، قادر، بااختیار ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ جو ہے، اس پر وہ نگران ہے اس کے قبضے میں ہے اسی کو قرآنِ مجید میں جابجا ذکر فرمایا ''لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ'' جو کچھ آسمانوں میں ہے جو کچھ بھی زمینوں میں ہے وہ سب اللہ کا ہے۔ تیرا کچھ نہیں، نہ تو کچھ ہے نہ تیرا کچھ ہے۔ تو اور تیری ہر چیز اللہ کی دی ہوئی امانت ہے، جب چاہے چھین لے۔ اس امانت کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے کہ اس امانت کو اس طرح خرچ کرنا ہے جس طرح اللہ چاہے۔

○...... ''وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ'' اس لیے تم کوئی کام کرو، کوئی چیز دل میں پوشیدہ رکھو تو اللہ اس کا حساب لے گا۔ ''مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ'' سے مراد یہ ہے کہ تم نے دلوں کے اندر کوئی بات چھپائی ہوئی ہے جو اللہ جانتا ہے، دوسروں کو معلوم نہیں۔ کیونکہ دلوں کا حال اللہ جانتا ہے ''علیمٌ بالذات الصدور'' اللہ ہے۔ اس لیے فرمایا ''یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ'' اللہ تمہارا محاسبہ کرے گا، قیامت میں حساب لے گا۔ اب وہ کونسی دل کی بات ہے جس پر حساب ہوگا کیونکہ عام طور پر اس شریعت میں دل کے خیالات پر محاسبہ نہیں ہے تو اس کے درجے ہیں یہ سمجھ لو۔ ایک ہوتا ہے وسوسہ شیطان ڈالتا ہے۔ گناہ کا، نافرمانی کا، خیانت کا، دھوکے کا، کوئی دل میں خیال آتا ہے۔ اس کو شرعاً بُرا سمجھتا ہے تو بُرا سمجھنا اس کے ایمان کی نشانی ہے اور یہ علامت اس بات کی ہے کہ شیطانی وسوسہ تھا۔ اس میں اس کا اپنا کوئی دخل نہیں۔ بُرا سمجھنا اس کے ایمان کی نشانی ہے۔ شیطان نے وسوسہ ڈالنا ہے۔ اُس نے اپنا کام کرنا ہے، ہمارا کام یہ ہے کہ جو شریعت کے خلاف دل میں خیال آئے اس کو شیطانی وسوسہ سمجھ کر اس پر عمل نہ کریں۔ صرف وسوسہ آنا گناہ نہیں لیکن اگر دل میں کسی گناہ یا نافرمانی یا فریب و دھوکہ کا کوئی ایسا خیال ہے کہ جم گیا اور اس کا ارادہ ہوگیا۔ عمل نہیں کیا۔ ارادہ اس کا پکا رہا تو اس پر محاسبہ ہوگا۔ کیونکہ اس کو عمل کا موقع ہی نہیں ملا۔ موقع ملتا تو یہ ضرور اس پر عمل کرتا تو اس کا حساب ہوگا۔ کیونکہ اس کا دل کے گناہ سے تعلق ہے اور باقی عقیدۃ جو دل میں چھپایا ہوا ہے جسے نفاق کہتے ہیں، زبان سے صحیح عقیدے کا اظہار کرتا ہے دل میں اور ہے تو وہ منافق ہے۔ اس پر تو حساب ہوگا اعتقادی طور پر۔ لیکن جو دل میں ایسی بات چھپائی ہوئی ہے کہ اس کا اس پر عمل کرنے کا پورا ارادہ ہے لیکن کر نہیں سکتا تو اس پر بھی مواخذہ ہوگا، توبہ کر لے تو پھر تو وہ ختم ہوگیا، توبہ بھی نہیں تو اس میں ''فیغفر لمن یشآء و یعذب من یشآء'' پس اللہ جس کو چاہے بخش دے۔ معاف کر دے چاہے تو سزا دے، یہ اُس پر موقوف ہے۔ اس کی اپنی مرضی ہے، مشیت ہے۔ اس لیے بندہ توبہ استغفار کرتا رہے۔ بندے کے لیے توبہ استغفار سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ ''وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ'' اور اللہ تو ہر چیز اچھی طرح جانتا ہے، وہ سزا دے سکتا ہے، بخش سکتا ہے جو چاہے کرے۔

○...... یہ گویا تمہید تھی آگے پھر ''اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ'' ان دو آیتوں کی حدیث میں بڑی فضیلت ہے۔ ''اٰمَنَ الرَّسُوْلُ'' سے آخر رکوع تک، یہ آیتیں یاد کرلو

''اٰمَنَ الرَّسُوْلُ '' ایمان لے آئے ہیں اللہ کے رسول ﷺ کس پر؟ ''بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ '' اس پر جو آپ پر، آپ کے ربّ کی طرف سے اتارا گیا۔ ایمان کا معنیٰ کیا ہے؟ اللہ کی بات کو ماننا۔ تو سب سے زیادہ ایمان والے تو رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔ اللہ کی وحی پر یقین جو ہے، انبیاء علیہم السلام سے زیادہ تو کسی کو نہیں ہوسکتا۔ لیکن اللہ نے اظہار کے لیے یہ الفاظ فرمائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بھی ایمان لائے ہیں تا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ حضور ﷺ کے لیے ایمان ضروری نہیں۔ ایمان کا معنیٰ ہے اللہ اور اس کے احکام کو مان لینا، تو وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے بھی ہے، پہلے تو حضور ﷺ پر اللہ کی وحی آتی ہے ہم نے تو اس وحی کو حضور ﷺ کے ذریعہ سے ماننا ہے۔ حضور ﷺ نے براہِ راست اللہ کی وحی کو مان لیا۔ تو پہلے تو حضور ﷺ کا ایمان ہوگا لیکن حضورؐ کی اپنی بلند شان کے مطابق ہوگا یاد رکھو۔ لفظِ ایمان ہی ہوگا، درجات میں فرق ہوگا۔

○..... ''وَ الْمُؤْمِنُوْنَ '' اور دوسرے ایمان والے بھی ایمان لائے، حضورؐ کا ایمان تو بحیثیت رسول اللہ ہے لیکن حضور ﷺ کے علاوہ بھی کوئی ایمان والے ہیں، جو رسول نہیں، ان کا ذکر ہے۔ ''وَالْمُؤْمِنُوْنَ '' اور دوسرے مومن، تعداد نہیں، معلوم ہوا کہ کوئی جماعت تھی ان کا ایمان بھی خالص تھا، کھرا تھا۔ جو اللہ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا، جو کچھ بھی نازل ہوا اس پر بھی، ان ایمان والوں نے بھی گواہی دی۔ اس کی تصدیق کی۔ اُن کے ایمان کی گواہی بھی اللہ تعالیٰ دے رہے ہیں یہ سمجھ لو۔ گویا ایمان میں حضور ﷺ کے بعد صحابہؓ کی فضیلت ثابت ہوئی۔ صحابہ کا ایمان ثابت ہوا۔ حضور اور صحابہؓ، حضور ﷺ اور مومنین۔ مومن تو ہم بھی ہیں اللہ تعالیٰ قائم رکھے، لیکن مراد تو وہ ہیں ناں کہ جو اس وقت موجود تھے اور جو حضور ﷺ کے وقت حضورؐ کا دیدار کرنے والے مومن ہیں انہیں کو اصحابِ رسول کہا جاتا ہے اور وہی صحابہ کرام ہیں رضوان اللہ علیہم اجمعین، اُنہی میں سے خلفائے راشدین ہیں۔ انہی میں سے چار یارؓ ہیں، اُنہی میں عشرہ مبشرہ ہیں، تو یہ ایمان والوں کی ایک جماعت ہے کہ اللہ نے ان کے ایمان کی گواہی دے دی ہے، اور یہی سُنّی کا مذہب ہے، یہ تو ہوسکتا ہے کہ بظاہر ایمان لانے والے کو منافق ہوں اور تھے، لیکن یہ تو نہیں ہے کہ ان کی نعوذ باللہ اکثریت منافق ہو اور دو چار مومن ہوں، اور ''الْمُؤْمِنُوْنَ '' سے مراد دو چار ہوں، ہم عظمتِ صحابہ پر محنت نہیں کرتے اور دوسری طرف ان کے خلاف محنت ہے، حالانکہ ہم میں علم والے بھی ہیں، عمل والے بھی ہیں، عبادتوں والے بھی ہیں، لیکن خدا جانے کیا ہے کہ جن کا تحفظ اپنے ایمانوں سے زیادہ کرنا

تھا، ان کے لیے ہماری کوئی محنت نہیں، اگر (معاذ اللہ) صحابہؓ کی عظمتیں مجروح ہو جائیں تو نہ قرآن رہے گا، نہ سنت رہے گی، نہ دین رہے گا، نہ شریعت رہے گی، نہ توحید رہے گی نہ رسالت رہے گی۔ مخالف ساری محنت کر رہے ہیں اور ہم بچاؤ کے لیے محنت نہیں کر رہے، تو بتاؤ ناں کہ پھر کس طرح عالمِ اسباب میں، صحابہ کی عظمتوں کا کام بڑھے گا؟ تو بڑی محنت کی ضرورت ہے، جتنی محنت زیادہ کرو گے اتنا اثر بھی ہوگا۔

○...... ''كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ'' ان میں سے ہر ایک، رسول اللہ ﷺ اور دوسرے مومن یعنی صحابہ کرامؓ سب ایمان لائے ہیں، آگے اب تفصیل ہے، پہلے تو تھا ایمان مجمل، بلکہ جو حضور ﷺ لائے ہیں، جو اللہ نے حضورؐ پر بذریعہ وحی نازل کیا، خواہ وہ قرآن کی شکل ہے خواہ وہ حدیث کی، اس پر ایمان ہے، مان لو۔ اب تفصیل ہے ① ''كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ '' سب ایمان لائے ہیں اللہ پر، سب سے پہلے اللہ پر ایمان۔ شریعت کے مطابق، اس کو وحدہ لاشریک مان لے، یعنی اللہ پر ایمان وہی معتبر ہوگا جو شریعت کے اصول کے مطابق ہو۔ ② ''وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ '' اور ان میں سے ہر ایک ایمان لایا ہے اس کے فرشتوں پر۔ فرشتے نورانی مخلوق ہیں ان کے ذمہ اللہ نے کام رکھے ہیں، وہ گناہوں سے پاک ہیں ان میں گناہ کا مادہ ہی نہیں، ہیں مخلوق ③ ''وَ كُتُبِهٖ '' اور اس کی کتابوں پر، جتنی کتابیں اس نے نازل کی ہیں خواہ ہم ان کے نام جانتے ہیں تورات، زبور، انجیل، قرآن، یا نہیں جانتے۔ ان سب پر ایمان ہے۔ ④ ''وَ رُسُلِهٖ '' اور جتنے ہی اس کے رسول ہیں سب پیغمبروں پر ایمان ہے، نام جن کے مذکور ہیں ان کے ناموں کے ساتھ اور جن کے نام نہیں، ان کو بلا نام۔ یا اللہ! تو نے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں سب پر ہمارا ایمان ہے کسی ایک کا بھی انکار نہ کریں، سب کو ماننا، اور جھوٹوں کا انکار کرنا۔ یہ ایمان بالرسالت ہے۔

بہر حال یہ ایمانیات ہیں۔ (۱) اللہ پر ایمان (۲) فرشتوں پر ایمان (۳) اس کی کتابوں پر ایمان (۴) اس کے پیغمبروں پر ایمان، اب بتاؤ! جو ایک اماموں کا رتبہ نکالتے ہیں اور وہ منصب امامت، منصب رسالت ﷺ کے علاوہ نکالتے ہیں اور اس کو منصب رسالت پر فضیلت دیتے ہیں، اس عقیدے کا اس قرآن میں نام ونشان نہیں، تو آپ ان کو یہ آیت پیش کریں، بھئی! یہاں فرشتوں کا بھی ذکر آ گیا، کتابوں کا بھی ذکر آ گیا، رسولوں کا بھی ذکر آ گیا اور اگر رسولوں کی طرح کوئی امام ہیں تو ان کا ذکر بھی ضرور آنا چاہیے تھا؟ رسولوں کے علاوہ رسول نہیں لیکن امام ہیں، ان کو ماننا بھی

رسولوں کی طرح ضروری ہے، تو ان کا کیوں ذکر نہیں؟ چہ جائیکہ ان سے افضل ہونا، یہ تو رسولوں سے افضل مانتے ہیں ناں؟ منصبِ امامت کو منصبِ رسالت سے افضل مانتے ہیں، ان بارہ اماموں کو پہلے سارے انبیائے کرام علیہم السلام سے افضل مانتے ہیں، کھلا کھلا واضح طور پر۔ صرف افضل نہیں کہتے ہیں ان کو پیغمبری ملی ہے، پہلے اللہ نے شرط رکھی کہ ان کی امامت کو مانو پھر تم کو پیغمبری دوں گا، بھئی! اللہ کو کیا ڈر تھا؟ اگر کوئی ایسے امام ہوتے کہ پیغمبر تو نہیں ہیں لیکن وہ پہلے پیغمبروں سے افضل ہیں، یا امامت، پیغمبری کی طرح کوئی منصب ہے تو یہاں ذکر ہوتا کسی آیت کے ساتھ؟ اس لیے مولوی محمد حسین ڈھکو مجبور ہو گیا، لکھتا ہے کہ "بارہ اماموں کے نام تو تھے قرآن میں، لیکن قرآن جمع کرتے وقت نکال دیئے گئے۔" (اثبات امامت، ص ۳۱۲)۔ اندازہ کرو، اور پھر کہتا ہے کہ ہم تو قرآن کو غیر محرف مانتے ہیں، یعنی عجیب ہے۔ حالانکہ وہ علم والا ہے، عراق کا سند یافتہ ہے، لیکن اللہ ایسے لوگوں سے ایسی باتیں نکلواتا ہے، تاکہ حق باطل میں لوگ فرق کر سکیں۔ کچھ پڑھیں۔ لیکن سُنّی تو پڑھتا ہی نہیں ہے ناں۔ سمجھتا ہی نہیں۔ اپنی بات سمجھو، حضور ﷺ کے بعد نکال دیئے گئے تو اب قرآن تو تبدیل ہو گیا؟ نبوت، رسالت، یہ اصل منصب ہیں۔ ان پیغمبروں کو امام کہہ دو بحیثیت پیغمبر کے، وہ اور بات ہے۔ امامت جدا منصب نہیں، خلافت اور امامت جو ہے یہ امت کے لیے منصب ہے، نبوت اور رسالت کو ماننے کے بعد یہ مرتبے ہیں، جس طرح اولیاء اللہ کے مراتب ہیں اس طرح خلفاء کے مراتب ہیں، وہ خلفاء جو ہیں وہ امام ہیں بحیثیت امت کے وہ پیشوا ہیں، اور خلیفہ جانشین ہیں بحیثیت رسول اللہ ﷺ کے۔ یہ باتیں آپ خدام جو سنتے ہیں یہ کچھ ذہن میں رکھا کرو، یاد کیا کرو، میں اکثر ضروری باتیں جمعے پر یا درس میں اس لیے بیان کرتا ہوں کہ موٹی موٹی دلیلیں آپ یاد رکھیں۔

○..... "لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ" "اس کے پیغمبروں میں سے، ہم کسی کے اندر فرق نہیں کرتے۔ گویا رسول اللہ ﷺ اور باقی مومنین صحابہؓ کا ازروئے ایمان اعلان ہے۔ وہ اقرار کر رہے ہیں۔ اللہ جن کے اقرار کو قرآن میں گویا لکھ رہے ہیں کہ ہم پیغمبروں کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ ایک تو فرق نہیں کرتے کا مطلب یہ ہے کہ ان سب کے درجے برابر ہیں۔ یہ تو غلط ہے کیونکہ "تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض" اللہ نے خود فرمایا کہ ہم نے پیغمبروں میں بعض پر

بعض کو فضیلت دی ہے۔ تو درجوں میں تو فرق ہے، حضور سب سے بڑے ہیں، فرشتوں سمیت ساری مخلوق سے بڑے ہیں۔ اللہ کے بعد سب سے بڑے اور سب سے افضل۔ ہم پیغمبروں کے درمیان فرق نہیں کرتے اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم سب پیغمبروں کو مانتے ہیں، ایمان لانے میں فرق نہیں ہے، کیونکہ ایمان ہے سب کو ماننا۔ ایمان لانے میں فرق نہیں کہ کسی کو مانا، کسی کو نہ مانا، لیکن درجات کے ماننے میں فرق ہے۔

○......''وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا '' اور کہا ان مومنین نے کہ ہم نے سُن لیا اللہ کے حکم کو ''وَاَطَعْنَا '' اور ہم نے قبول کر لیا، مان لیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا کہ ''جو کچھ ظاہر کرو تم یا دلوں میں چھپاؤ، اللہ اس کا حساب لے گا'' تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اندر گویا ایک فکر لاحق ہوا، پریشانی ہوئی۔ دیکھو ناں! وہ تو انبیاء کے بعد تقویٰ کے بلند مرتبہ پر فائز تھے ناں۔ یعنی وہ اللہ کا خوف رکھتے تھے، ''مقرب را بیش بود حیرانی'' کہ جتنے زیادہ مقرب اتنی زیادہ پریشانی ان کو ہوتی ہے، تو اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم زبان سے یہ کہہ لو کہ ہم نے مان لیا ''سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا '' اور یہی بات ہے ایمان کی، تشریح یا تفصیل بعد میں پوچھیں یا اللہ کی طرف سے اس کی تصریح ہو جائے۔ یہ نہیں کہ صحابہ مانتے نہیں تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم تو پوچھتے تھے ناں، لیکن نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمادیا کہ تم زبان سے یہ کہہ دو، اے اللہ ہم نے تیرا حکم سُن لیا، قبول کر لیا۔ اب اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر خود ہی معافی دے دی یعنی اس کا جو صحیح مطلب تھا اس کی وضاحت فرمادی۔ ''غُفْرَانَکَ '' یہ انہی مومنین کاملین کی گویا بات ہے۔ یا اللہ! ہم تو تیری بخشش چاہتے ہیں، ہم سے کوئی قصور، غلطی ہو جائے تو تو بخش دے۔'' اے ہمارے ربّ! تو ہمارا پالنے والا ہے، پہلے بھی تو نے ہمیں اس مقام پر پہنچایا ہے، پرورش کی ہے، دنیاوی، دینی۔ آگے بھی تو کرنے والا ہے اس لیے ہم سے کوئی قصور غلطی جو بھی ہے تو معاف کر دے ''وَ اِلَیْکَ الْمَصِیْرُ '' اور ہم نے تیری ہی طرف واپس جانا ہے۔ تیرے دربار میں ہم نے حاضری دینی ہے۔ تو نے ہم سے پوچھنا ہے، تو یہاں ہم کو معاف کرے۔ دیکھو ناں! یہ کتنا تقویٰ ہے؟ بڑی چیز ہے۔

OOOO

چراغِ ہدایت

قسط ③

ارشادات وکمالات

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

ضلع دہلی میں جو کہ پایۂ تخت اسلام رہا ہے اور جہاں فوجی قوتوں کا ہر قسم کا مکمل مظاہرہ رہتا تھا فیصدی سولہ مسلمان اور باقی غیر مسلم ہیں۔

صوبہ یو پی جو کہ تقریباً ایک ہزار برس مسلمانوں کے قبضہ میں رہا ہے فیصدی پندرہ مسلمان ہیں۔ بہار جو کہ بختیار خلجی کے زمانہ سے ہیسنگو کے زمانے تک مسلمانوں کے قبضہ میں رہا فیصدی دس مسلمان ہیں۔ اگر جبر و اِکراہ سے مسلمان کیا جاتا تو جبکہ مسلمانوں کی فوجی قوتیں انتہائی عروج پر تھیں کون سی قوت ان کو بجبر مسلمان بنانے سے روک سکتی تھی۔

ہاں عیسائیت اپنی سیاہ تاریخ اُٹھا کر دیکھے کہ اُس نے یہودی مذہب کو یورپ کے ممالک سے کس طرح فنا کیا اور پھر اسپین، سسلی، مالٹا، یونان، کریٹ، بلگیریا وغیرہ میں مسلمانوں کے ساتھ کیا کر رہی ہے۔

آرین قومیں اپنے گزشتہ کارناموں پر غور کریں کہ انھوں نے ہندوستان کے اصلی باشندوں بھیل، گونڈ، کولی، چمار وغیرہ اچھوت قوموں کے ساتھ کیا معاملات کیے اور اب تک کیا کر رہے ہیں؟

چین میں آج سات کروڑ سے لے کر دس کروڑ تک مسلمانوں کی مردم شماری بتائی جاتی ہے وہاں کس روز مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی تھی؟

جزائر، سماٹرا، جاوا وغیرہ میں پانچ کروڑ سے زیادہ مسلمانوں کی مردم شماری مذکور ہے وہاں کون سا عالمگیر یا تیمور لنگ یا محمود غزنوی حملہ آور ہوا تھا۔ ابتدائے اسلام میں جن لوگوں نے تلوار اُٹھائی تھی ان کو کس تلوار نے مسلمان کیا تھا؟

یہ سب محض غلط اتہامات ہیں جو کہ دشمنوں نے اسلام کو بدنام کرنے کے لیے لگائے ہیں ہمیشہ بادشاہانِ اسلام اس کے خلاف احکام جاری کرتے رہے اور روا داری اور بے تعصبی کا ثبوت دینے میں انہوں نے نہایت روشن پوزیشن پیش کی ہے...... جھوٹ اور افتراء کا تو کوئی جواب نہیں۔

ڈاکٹر بال کرشن پرنسپل راجہ رام کالج کولہا پور نے مندرجہ ذیل فارسی زبان کی ایک قدیم تحریر تلاش کرکے پائی تھی جس سے مخالفین کی ہرزہ سرائی کا پورا پتہ چلتا ہے ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ غازی

اپنے بیٹے شہزادہ نصیر الدین ہمایوں کو اپنی خفیہ وصیت میں لکھتا ہے، ترجمہ حسب ذیل ہے:

"اے پسر! سلطنت ہندوستان مختلف مذاہب سے پُر ہے الحمد للہ اس نے اس کی بادشاہت تمہیں عطا فرمائی تمہیں لازم ہے کہ تمام تعصباتِ مذہبی کو لوحِ دل سے دھو ڈالو اور عدل و انصاف کرنے میں ہر مذہب و ملت کے طریق کا لحاظ رکھو جس کے بغیر تم ہندوستان کے لوگوں کے دلوں پر قبضہ نہیں کر سکتے۔ اس ملک کی رعایا مراحم خسروانہ اور الطاف شاہانہ ہی سے مرہون ہوتی ہے۔ جو قوم یا ملت قوانین حکومت کی فرمانبردار ہے اس کے مندر اور مزار برباد نہ کیے جائیں۔ عدل و انصاف ایسا کرو کہ رعایا بادشاہ سے خوش رہے، ظلم و ستم کی نسبت احسان اور لطف سے اسلام زیادہ ترقی پاتا ہے۔ شیعہ و سنی کے جھگڑوں سے چشم پوشی کرو ورنہ اسلام کمزور ہو جائے گا، جس طرح انسان کے جسم میں چار عناصر مل جل کر اتحاد و اتفاق سے کام کر رہے ہیں اسی طرح مختلف مذاہب رعایا کو ملا جلا رکھو اور ان میں اتحادِ عمل پیدا کرو تاکہ جسمِ سلطنت مختلف امراض سے محفوظ و مامون رہے۔ سرگزشت تیمور کو جو اتفاق و اتحاد کا مالک تھا ہر وقت اپنی نظر کے سامنے رکھو تاکہ نظم و نسق کے معاملات میں پورا تجربہ ہو۔ (روزنامہ خلافت ص ۵، ۱۹۰، ۱۸ راگست ۱۹۲۶ء)

شاہ جہانگیر نے اپنے تمام قلمرو میں جو احکام اُمراء اور سرداروں پر نافذ فرمائے تھے اُن میں سے مندرجہ ذیل احکام بھی تھے:

"جھرو کے میں بیٹھا کریں، ہاتھی نہ لڑایا کریں، سیاست کے واسطے آنکھیں نہ پھوڑا کریں، ناک کان نہ کاٹیں، بزور کسی کو مسلمان نہ کریں۔ الخ" (ترجمہ تزک جہانگیر، ص ۸۲)

اورنگزیب مرحوم کا مندرجہ ذیل فرمان فارسی زبان میں راجہ نرجن سین نے ایشیاٹک سوسائٹی کے ایک جلسہ میں پیش کیا تھا جو کہ جون ۱۹۱۱ء میں ایک اُردو اخبار میں شائع ہوا تھا فرمان مذکور کا مضمون حسب ذیل ہے:

"ہماری پاک شریعت اور سچے مذہب کی رُو سے یہ ناجائز ہے کہ غیر مذہب کے قدیمی مندروں کو گرایا جائے ہماری اطلاع میں یہ بات لائی گئی ہے کہ بعض حاکم بنارس اور اس کے گرد و نواح کے ہندوؤں پر ظلم و ستم کرتے ہیں اور ان کے مذہبی معاملات میں دخل دیتے ہیں اور ان برہمنوں کو جن کا تعلق پرانے مندروں سے ہے اُن کو اُن کے حقوق سے محروم کیا جاتا ہے لہٰذا یہ حکم دیا جاتا ہے کہ آئندہ سے کوئی شخص ہندوؤں اور برہمنوں کو کسی وجہ سے بھی تنگ

نہ کریں اور نہ اُن پر کسی قسم کا ظلم کریں۔"　　دستخط اور مہر شہنشاہ اورنگزیب

(حمایت اسلام، خلافت نمبر ۱۹۰، ص ۵، ۱۸ راگست ۱۹۲۶ء)

حقیقت یہ ہے کہ اسلام اپنی سچائی اور حقانیت اور اپنے اصولوں اور تعلیم کی خوش اسلوبی وغیرہ کمالات کی بنا پر قلوب اور دماغوں پر ہمیشہ سے مقناطیسی اثر کرتا رہا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے باوجود اپنی تنگدستی اور بے سرو سامانی کے اسلام کی دعوت شروع فرمائی اور تمام اہل عرب خصوصاً اہل مکہ اور قریش آپ کے سخت در پے آزار ہوگئے، ظاہری کوئی سبب ایسا نہ تھا جس سے یہ اُمید کی جاسکتی کہ آپ کی کوششیں بارآور ہوں گی مگر یہ اسلام کی حقانیت اور اُس کی آسمانی طاقت ہی تھی جس سے قلوب کا مسخر ہونا شروع ہوگیا اور جوق جوق لوگ قرب و جوار اور دور دراز ملکوں سے آ آکر حلقہ بگوش اسلام کے ہوتے گئے۔ (جاری)

وفیات

① چک نورنگ (چکوال) میں حاجی محمد رفیق صاحب ② چک ملوک (چکوال) میں محمد ندیم ولد محمد سلیم صاحب روڈ حادثہ میں ③ حاجی محمد امیر ولد حاجی محمد فیروز صاحب ④ حاجی عبدالرشید صاحب اور حاجی عبدالوحید صاحب کے والد محترم ⑤ ماڑی شریف میں حاجی غلام اکبر صاحب ⑥ ٹبہ بوٹے شاہ (گجرات) میں اکرام اللہ، انعام اللہ اور عثمان حیدر کے والد ماجد اللہ دتہ صاحب ⑦ اموآنہ (گجرات) میں چیئرمین محمد انور صاحب ⑧ کمیانہ (گجرات) میں عمر فاروق، حافظ شہزاد صاحب، تصدق صاحب اور قاسم صاحب کے والد چوہدری امتیاز احمد صاحب ⑨ جامعہ مظہریہ حسینیہ جہاں سومرو (سندھ) کے مدرس مولانا محمد سومرو کی بیٹی ⑩ طالب علم منور لنڈ اور سجاد لنڈ کی نانی صاحبہ، باورچی عبدالعزیز سومرو صاحب کے سسر صاحب قضائے الٰہی سے وفات پاگئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ تمام مرحومین کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ قارئین سے بھی دعا کی درخواست ہے (ادارہ)

(قسط:①)

خوش قسمت جماعت

حضرت العلامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب، نور اللہ مرقدہ

اسلام محض چند اصول ونظریات اور علوم وافکار کا مجموعہ نہیں بلکہ وہ اپنے جلو میں ایک نظام عمل لے کر چلتا ہے وہ جہاں زندگی کے ہر شعبے میں اصول وقواعد پیش کرتا ہے وہاں ایک ایک جزئیہ کی عملی تشکیل بھی کرتا ہے۔ اس لیے یہ ضروری تھا کہ شریعت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام) کی علمی وعملی دونوں پہلوؤں سے حفاظت کی جائے اور قیامت تک ایک ایسی جماعت کا سلسلہ قائم رہے جو شریعت مطہرہ کے علم وعمل کی حامل اور امین ہو۔ حق تعالیٰ نے دین محمد ﷺ کی دونوں طرح حفاظت فرمائی، علمی بھی اور عملی بھی۔

حفاظت کے ذرائع میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت سرِ فہرست ہے۔ ان حضرات نے براہِ راست صاحبِ وحی ﷺ سے دین سمجھا، دین پر عمل کیا اور اپنے بعد آنے والی نسل تک دین کو من وعن پہنچایا۔ انہوں نے آپ ﷺ کے زیرِ تربیت رہ کر اخلاق واعمال کو ٹھیک ٹھیک منشائے خداوندی کے مطابق درست کیا۔ سیرت وکردار کی پاکیزگی حاصل کی، تمام باطل نظریات سے کنارہ کش ہو کر عقائدِ حق اختیار کیے۔ رضائے الٰہی کے لیے اپنا سب کچھ رسول اللہ ﷺ کے قدموں پر نچھاور کر دیا۔ ان کے کسی طرزِ عمل میں ذرا خامی نظر آئی تو فوراً حق جل مجدہ نے اس کی اصلاح فرمائی۔ الغرض حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت اس پوری کائنات میں وہ خوش قسمت جماعت ہے جن کی تعلیم وتربیت اور تصفیہ وتزکیہ کے لیے سرورِ کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کو معلّم ومزکی اور استاد واتالیق مقرر کیا گیا۔ اس انعامِ خداوندی پر وہ جتنا شکر کریں کم ہے۔ جتنا فخر کریں بجا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔

’’بخدا بہت بڑا احسان فرمایا اللہ نے مومنین پر کہ بھیجا ان میں ایک عظیم الشان رسول ان میں سے، وہ پڑھتا ہے ان کے سامنے اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو

کتاب اور گہری دانائی۔ بلا شبہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے"۔(پ۴ آل عمران:۱۶۴)

آنحضرت ﷺ کی علمی و عملی میراث اور آسمانی امانت چونکہ ان حضرات کے سپرد کی جارہی تھی اس لیے ضروری تھا کہ یہ حضرات آئندہ نسلوں کے لیے قابلِ اعتماد ہوں چنانچہ قرآن و حدیث میں جابجا ان کے فضائل و مناقب بیان کیے گئے۔ چنانچہ

① وحیِ خداوندی نے ان کی تعدیل فرمائی، ان کا تزکیہ کیا، ان کے اخلاص وللٰہیت کی شہادت دی اور انہیں یہ رتبہ بلند ملا کہ ان کو رسالتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام) کے عادل گواہوں کی حیثیت سے ساری دنیا کے سامنے پیش کیا۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔ (پ ۲۶ الفتح ع ۱۴)

ترجمہ: "محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور جو ایماندار آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں شفیق۔ تم ان کو دیکھو گے رکوع سجدے میں، وہ چاہتے ہیں، صرف اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی۔ ان کی علامت ہے، ان کے چہروں پر سجدے کے نشان"۔

گویا یہاں محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، ایک دعویٰ ہے اور اس کے ثبوت میں حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت و کردار کو پیش کیا گیا ہے کہ جسے آنحضرت کی صداقت میں شک و شبہ ہو، اسے آپ کے ساتھیوں کی پاکیزہ زندگی کا ایک نظر مطالعہ کرنے کے بعد خود اپنے ضمیر سے فیصلہ لینا چاہیے کہ جن کے رفقاء اتنے بلند سیرت اور پاکباز ہوں۔ وہ خود صدق و راستی کے کتنے اونچے مقام پر فائز ہوں گے۔　"کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا"

③ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان کو معیارِ حق قرار دیتے ہوئے نہ صرف لوگوں کو اس کا نمونہ پیش کرنے کی دعوت دی گئی، بلکہ ان حضرات کے بارے میں لب کشائی کرنے والوں پر نفاق و سفاہت کی دائمی مہر ثبت کر دی۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ (البقرہ، ع ۲)

"اور جب ان (منافقوں) سے کہا جائے "تم بھی ایسا ہی ایمان لاؤ جیسا دوسرے لوگ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لائے ہیں، تو جواب میں کہتے ہیں۔" کیا ہم ان بے وقوفوں جیسا ایمان

لائیں"؟ سن رکھو یہ خود ہی بے وقوف ہیں۔"

③ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بار بار "رضی اللہ عنہم رضوا عنہ" (اللہ ان سے راضی ہوا، اور وہ اللہ سے راضی ہوئے) کی بشارت دی گئی اور امت کے سامنے اسے اتنی شدت و کثرت سے دہرایا گیا کہ صحابہ کرام کا یہ لقب امت کا تکیہ کلام بن گیا۔ کسی نبی کا اسم گرامی آپ "علیہ السلام" کے بغیر نہیں لے سکتے اور کسی صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نامِ نامی رضی اللہ عنہ کے بغیر مسلمان کی زبان پر جاری نہیں ہوسکتا۔

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ظاہر کو دیکھ کر راضی نہیں ہوا، نہ صرف ان کے موجودہ کارناموں کو دیکھ کران سے رضا مندی کا اظہار کر دیا، بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن اور حال و مستقبل کو دیکھ کر ان سے راضی ہوا ہے، یہ گویا اس بات کی ضمانت ہے کہ آخر دم تک ان سے رضائے الٰہی کے خلاف کچھ صادر نہیں ہوگا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جس سے خدا راضی ہو جائے، خدا کے بندوں کو بھی اس سے راضی ہو جانا چاہیے۔ کسی اور کے بارے میں تو ظن وتخمین ہی سے کہا جا سکتا ہے کہ خدا اس سے راضی ہے یا نہیں۔ مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں تو قطعی آیت موجود ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی ان سے راضی نہیں ہوتا یا ان کو بہرصورت "غلط کار" ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے تو گویا اسے اللہ تعالیٰ سے اختلاف ہے۔ اور پھر صرف اتنی بات کو کافی نہیں سمجھا گیا کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا بلکہ اسی کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہ ان حضرات کی عزت افزائی کی انتہا ہے۔

④ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مسلک کو، معیاری راستہ قرار دیتے ہوئے اس کی مخالفت کو براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے ہم معنی قرار دیا گیا اور ان کی مخالفت کرنے والوں کو وعید سنائی گئی۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا (پ ۵، النساء: آیت ۱۱۵)

ترجمہ: "اور جو شخص مخالفت کرے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی، جب کہ اس کے سامنے ہدایت کھل چکی اور چلے مومنوں کی راہ چھوڑ کر، ہم اسے پھیر دیں گے جس طرف پھرتا ہے اور اسے داخل کریں گے جہنم میں اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے لوٹنے کی۔"

آیت میں "المومنین" کا اوّلین صداق اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس جماعت ہے۔ "رضی اللہ عنہم" اس سے واضح ہوتا ہے کہ اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح شکل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کو اسلام کے

اعلیٰ معیار پر تسلیم کیا جائے۔

⑤ اور سب سے آخری بات یہ کہ انہیں آنحضرت ﷺ کے سایہ عاطفت میں آخرت کی ہر عزت سے سرفراز کرنے اور ہر ذلّت و رسوائی سے محفوظ رکھنے کا اعلان فرمایا گیا۔

يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ (پ ۲۸ ، التحریم ، آیت ۸)

ترجمہ: ''جس دن رسوا نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ نبی کو اور جو مومن ہوئے آپ کے ساتھ ان کا نور دوڑتا ہوگا، ان کے آگے اور ان کے داہنے۔''

اس قسم کی بیسیوں نہیں سینکڑوں آیات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب مختلف عنوانات سے بیان فرمائے گئے ہیں اور اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اگر دین کے سلسلہ سند کی یہ پہلی کڑی اور حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے صحبت یافتہ حضرات کی جماعت معاذ اللہ ناقابلِ اعتماد ثابت ہو، ان کے اخلاق و اعمال میں خرابی نکالی جائے اور ان کے بارے میں یہ فرض کر لیا جائے کہ وہ دین کی علمی و عملی تدبیر نہیں کر سکے تو دین اسلام کا سارا ڈھانچہ ہل جاتا ہے اور خاکم بدہن رسالتِ محمدیہ مجروح ہو جاتی ہے۔ دنیا کا ایک معروف قاعدہ ہے کہ اگر کسی خبر کو ردّ کرنا ہو تو اس کے راویوں کو جرح و قدح کا نشانہ بناؤ۔ ان کی سیرت و کردار کو ملوث کرو اور ان کی ثقاہت و عدالت کو مشکوک ثابت کرو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چونکہ دین محمدی ﷺ کے سب سے پہلے راوی ہیں، اس لیے چالاک فتنہ پردازوں نے جب دین اسلام کے خلاف سازش کی اور دین سے لوگوں کو بدظن کرنا چاہا تو اس کا سب سے پہلا ہدف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے چنانچہ تمام فرق باطلہ اپنے نظریاتی اختلاف کے باوجود جماعتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہدف تنقید بنانے میں متفق نظر آتے ہیں۔ ان کی سیرت و کردار کو داغدار بنانے اور ان کی شخصیت کو نہایت گھناؤنے رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی، ان کے اخلاق و اعمال پر تنقیدیں کی گئیں، ان پر مال و جاہ کی حرص میں احکامِ خداوندی سے پہلوتہی کرنے کے الزامات دھرے گئے۔ ان پر خیانت، غصب اور کینہ پروری و اقرباء نوازی کی تہمتیں لگائی گئیں اور غلو و انتہا پسندی کی حد ہے کہ جن پاکیزہ ہستیوں کے ایمان کو حق تعالیٰ نے، معیار قرار دے کر ان جیسا ایمان لانے کی لوگوں کو دعوت تھی ''اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ'' (پ ۱، البقرہ ع ۲) اُنہی کے ایمان و کفر کا مسئلہ زیرِ بحث لایا گیا اور تکفیر و تفسیق تک نوبت پہنچا دی گئی۔ (العیاذ باللہ) (جاری)

یادِ رفتگاں (قسط:۴)

"زخمے است کہ مرہمے ندارد"

سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ

[احوال و آثار]

مولانا حافظ عبدالجبار سلفی

ایم اے او کالج لاہور میں آپ ؒ فارسی کے پروفیسر رہے۔ اگرچہ آخری دو سالوں میں اسلامیات کے مضامین بھی پڑھاتے تھے مگر حقیقت یہ ہے کہ علامہ صاحب کی چند گھنٹے کالج کی کلاسوں کے علاوہ پوری زندگی دین اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے وقف تھی۔ آپ کالج کے ماحول میں بھی اپنی دینی سرگرمیاں جاری رکھتے تھے نیز کرشن نگر، سنت نگر کی گلیاں، چوک و چوراہے، بازار، مسجدیں اور چند خاص دوکانیں تو آپ کے علمی معرکوں کی آج بھی داستانیں پیش کرتی ہیں۔ ان داستانوں کو سننے کے لیے کان چاہیں اور ان ایام رفتہ کا نظارہ کرنے کے لیے منصفانہ نگاہوں کی ضرورت ہے۔ یہاں تنظیم اہل سنت کے زیر اہتمام لاہور شہر میں جگہ جگہ جلسوں کا ایک جال بچھ گیا، جس سے قصور، شیخوپورہ، گوجرانوالہ اور حافظ آباد کے شہروں کے اہل سنت بھی بیدار ہوئے۔ اور انہوں نے بھی اپنے اپنے شہروں میں عظمت صحابہ کے جلسوں کا انعقاد شروع کر دیا تھا، یہ سب علامہ صاحب کی ڈالی ہوئی داغ بیل تھی جس پر عقائد و افکار صحیحہ کی ایک مضبوط عمارت کھڑی ہو چکی تھی۔ اپنے گھر کے قریب زیادہ تر علامہ صاحب نمازوں کی ادائیگی مسجد رحمت اللعالمین اور غنی مسجد میں کرتے تھے یہ سنت نگر میں واقع ہیں جبکہ جمعۃ المبارک کا خطبہ مونگے سٹریٹ کی فضلیہ مسجد میں دیتے رہے، نیز فاروقی مسجد آخری بس سٹاپ کرشن نگر اور مسجد حنفیہ دیانند روڈ (سعدی روڈ) میں جلسوں کے اجتماعات اور ہفتہ وار دروسِ قرآنِ مجید میں بھی خطاب فرماتے تھے۔ اس دوران مقامی سطح پر وہ شہری لوگ جو تنظیم اہل سنت میں باقاعدہ وقت نہیں دے پاتے تھے ان کے لیے "ادارۂ تبلیغ قرآن و سنت" کے نام سے ایک یونٹ قائم کی جس کے متحرک کرداروں میں خواجہ اویس احمد شبلی اور حافظ طالب حق تھے۔ علاوہ ازیں علامہ صاحب ہر جمعۃ المبارک کو بعد نماز مغرب ڈاکٹر سلیم احمد پیرزادہ کے مکان پر بھی درس قرآنِ مجید دیتے تھے جس سے اہل علاقہ کا شوق دن بہ دن دین حق اور مذہب

اہل السنۃ والجماعۃ کی طرف بڑھتا گیا۔ اس دور میں اس درس کا اشتہار مندرجہ ذیل متن کے ساتھ شائع ہوتا تھا۔ ''کرشن نگر لاہور میں درس قرآن''

ہر جمعہ کو بعد نماز مغرب ڈاکٹر سلیم احمد پیرزادہ صاحب کے مکان واقع امرت روڈ ملحقہ یدھشر روڈ پر علامہ خالد محمود صاحب سیالکوٹی درس قرآن دیتے ہیں۔ جس میں شہر کے مختلف علاقوں سے معززین شرکت فرماتے ہیں۔ حجۃ اللہ فی الارض حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے اندازِ فکر پر قرآن کریم کے مطالب اور حقائق بیان ہوتے ہیں۔ بیرون جات کے حضرات جب کبھی بروز جمعہ لاہور وارد ہوں تو اس درس قرآن سے ضرور استفادہ فرماویں۔

منجانب: خواجہ ابوبکر اویس احمد شبلی، صدر ادارہ تبلیغ قرآن وسنت ''کرشن نگر لاہور''۔

(ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور صفحہ آخر، ۱۲، اکتوبر ۱۹۶۲ء)

ادارہ تبلیغ قرآن وسنت کرشن نگر کے زیر اہتمام سالانہ جلسہ بھی ہوا کرتا تھا، جس میں تنظیم اہل سنت کے اکابرین شرکت فرماتے تھے۔ اُسی دور کے ایک جلسہ کا اعلان مندرجہ ذیل شائع ہوا تھا:

''مورخہ ۱۶، ۱۷ اکتوبر (۱۹۶۳ء) بروز پیر منگل بعد از نماز عشاء چوک اسلام پورہ کرشن نگر، لاہور میں ادارہ تبلیغ قرآن وسنت کرشن نگر کا سالانہ جلسہ ہوگا۔ جس میں حضرت علامہ دوست محمد صاحب قریشی، ناظم اعلیٰ تنظیم اہل سنت پاکستان، مفکر اسلام حضرت علامہ خالد محمود صاحب، خطیب اسلام حضرت مولانا محمد اجمل خان صدر تنظیم اہل سنت لاہور، مجاہد ملت حضرت مولانا عبدالستار خان صاحب نیازی، شاعر اہل سنت الحاج سید امین گیلانی اور جناب محمد بخش صاحب چشتی شرکت فرمارہے ہیں۔''

اس دور میں کرشن نگر میں معروف شیعہ عالم کفایت حسین نقوی بھی مقیم تھے جو اپنے نام کے ساتھ بطور خاص ''حافظ'' لکھواتے تھے۔ قرآنِ مجید کے حافظ تو اللہ جانے کس پایہ کے تھے، تاہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں دینے میں انہیں بہت کچھ یاد رہتا تھا۔ یہ بلند شہر کے پیدائشی تھے۔ ۱۹۳۹ء میں جب لکھنؤ کے اندر تبرا ایجی ٹیشن کے نام سے متحدہ برصغیر کے دور دراز شہروں سے روافض جمع ہو کر گالیاں دینے کا مظاہرہ کرتے تھے تو موصوف بھی اپنے فن کا نظارہ کروانے وہاں جا پہنچے تھے۔ کرشن نگر میں جون ۱۹۶۳ء میں بڑے پیمانے پر شیعہ سنی فسادات ہوئے تھے۔ جو پورے شہر کی گلیوں کوچوں کو اپنی لپیٹ میں لیتے ہوئے پورے پنجاب میں پھیل گئے تھے، انہی فسادات میں علامہ خالد محمود صاحب کو مع رفقاء دو ماہ کے لیے ضلع بدر کردیا گیا تھا، ان فسادات کے پیچھے (حافظ) کفایت حسین صاحب کا کافی عمل دخل شامل تھا۔ اور تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے یہ بات بھی ثابت ہوئی تھی کہ موصوف کے بیٹے سے چاقو بھی برآمد ہوا ہے۔ اس دور میں چاقو بستہ ب کے بدمعاشوں سے ہی برآمد ہوتا تھا اور یہ ''آتشیں

اسلحہ" میں شامل سمجھا جاتا تھا۔ ان فسادات کی تفصیلات کی اگر ضرورت محسوس کی گئی تو ہم آئندہ سطور میں پیش کر دیں گے ورنہ اجمال پر ہی اکتفاء کی جائے گی۔ حافظ کفایت حسین صاحب باقاعدہ مناظر کی حیثیت سے تو علامہ صاحب کے سامنے نہ آئے تاہم دستی پرچیوں کے ذریعے تبادلہ خیال رہتا تھا۔

سول سیکرٹریٹ لاہور کی جامع مسجد میں خطابت

کرشن نگر کی مقامی مسجد (فعلیہ، مونگے سٹریٹ) میں جمعۃ المبارک پڑھانے کے دوران ایم اے او کالج کے بعض فکر مند پروفیسرز حضرات اور کچھ دیگر علماء کرام (جن میں مولانا محمد اجمل خان اور مولانا محمد ابراہیم تکوار والے شامل تھے) نے علامہ صاحب کو رائے دی کہ سیکرٹریٹ والی مسجد میں آپ جیسی علمی شخصیت اگر جمعۃ المبارک پڑھانے کی ذمہ داری لے لے تو مختلف عنوانات پر آپ کے خطبات سے اہل شہر کو بہت فائدہ ہوگا۔ اس وقت سیکرٹریٹ کی مسجد سرکاری تحویل میں نہیں تھی۔ پرائیویٹ نظم میں تھی۔ چنانچہ ارباب حل وعقد سے مشاورت کے بعد علامہ صاحب نے وہاں جمعۃ المبارک کا خطبہ شروع کر دیا، یہاں علامہ صاحب کی طبیعت بہت کھلتی تھی۔ فرماتے تھے اس دور میں زیادہ تر میرے خطابات حجیت حدیث پر ہوتے تھے اور شیعہ، سنی نزاعی مسائل کو میں نے کرشن نگر اور سنت نگر میں محدود کر دیا تھا۔ البتہ بیرون لاہور ملک بھر میں جہاں بھی دعوت ملتی تھی، زیادہ تر میری تقریر کے موضوعات عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم کے اردگرد ہوتے۔ ایک مرتبہ علامہ صاحب کی دعوت پر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) نے بھی اجتماع جمعہ سے مفصل خطاب فرمایا تھا، جس کی خبر یوں شائع ہوئی تھی:

> "بروز جمعۃ (المبارک) جامع مسجد سول سیکرٹریٹ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ نے فضیلت جمعہ کے عنوان پر ۲ گھنٹہ تک بصیرت افروز خطاب فرمایا۔ آپ کے ارشاد عالیہ سے مستفید ہونے کے لیے لاہور اور بیرون لاہور سے ہزاروں افراد تشریف لائے۔ آپ کی بصیرت افروز تقریر کو ریکارڈ کرنے کے لیے چار ٹیپ ریکارڈر لگے ہوئے تھے۔ آپ کی تقریر کے بعد حضرت علامہ خالد محمود صاحب خطیب جامع مسجد سول سیکرٹریٹ نے حضرت حکیم الاسلام کی تشریف آوری اور افاضہ فرمائی کا شکریہ ادا کیا۔" (ہفت روزہ "دعوت" لاہور صفحہ نمبر ۱۰، ۱۱ اکتوبر ۱۹۶۳ء)

یاد رہے کہ علامہ صاحب سے پہلے سیکرٹریٹ کی جامع مسجد میں مولانا غلام محمد ترنم مرحوم خطبہ جمعۃ المبارک دیتے تھے، ان کا انتقال ۱۹۵۹ء میں ہو گیا تھا اور وفات سے چھ ماہ قبل تک وہ کم وبیش دس سال تک اس مسجد میں خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے تھے۔ مولانا غلام محمد ترنم مرحوم کے بعد اس جگہ کی خطابت حضرت علامہ صاحب نے سنبھال لی جو آپ کے خانیوال تبادلہ ہونے تک جاری رہی۔ مولانا ترنم مرحوم نے ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھی نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ علامہ

صاحب کی اس دور کی کچھ تحریریں نظر سے گزری ہیں جن کے آخر میں آپ اپنا مکمل نام "خالد محمود عفا اللہ عنہ پروفیسر ایم اے او کالج لاہور، خطیب جامع مسجد سیکرٹریٹ" لکھا کرتے تھے۔ جس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ رہی ہے کہ سول سیکرٹریٹ کی جامع مسجد کے منبر کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس پر علامہ مرحوم جیسی عبقری صفت شخصیت آوازِ حق بلند کرتی رہی۔

۱۹۶۰ء کا ایک حیرت انگیز واقعہ، جب ٹرین ایکسیڈنٹ میں علامہ صاحب محفوظ رہ گئے

علامہ صاحب کے بھتیجے جناب محمد ریاض قریشی صاحب کافی ضعیف ہیں، دماغی طور پر منتشر رہنے کی وجہ سے یادداشتوں کا استحضار بہت کم ہے۔ طبیعت میں بوجہ ضعف و علالت ٹھہراؤ بھی نہیں ہے۔ ان کے صاحبزادہ جناب محمد فیاض قریشی صاحب یعنی علامہ صاحب کے پوتے سے کاتب السطور نے وقت لیا اور ان کی رہائش گاہ واقع شام نگر، چوبرجی جا پہنچا۔ تاکہ علامہ صاحب سے متعلق کچھ یادوں کا تبادلہ کرسکوں، دوران گفتگو قریشی صاحب نے یہ واقعہ سنایا کہ ۱۹۶۰ء کے زمانہ کی بات ہے کہ علامہ صاحب عقیدۂ ختم نبوت بیان کرنے کے لیے پہلے سے طے شدہ ایک جلسہ میں ساہیوال جارہے تھے۔ خیبر میل سے سفر تھا، رستہ میں رائیونڈ سے آگے کیمبل ریلوے اسٹیشن پر ٹرین رکی تو یہاں کے مقامی چند نوجوان جنہیں پہلے سے علامہ صاحب کے سفری شیڈول کا علم تھا، انہوں نے اصرار کیا کہ آپ کا یہاں ہمارے علاقہ میں خطاب بہت ضروری ہے۔ آپ تشریف لائیں، اگلی ٹرین سے ہم آپ کو سوار کروادیں گے اور بہ آسانی آپ رات کے وقت ساہیوال کانفرنس میں پہنچ جائیں گے۔ علامہ صاحب نے ہر چند انکار کیا مگر نوجوان کچھ ایسے بضد ہوئے کہ علامہ صاحب کو بادلِ نخواستہ وہاں اترنا پڑا۔ ایک مقامی مسجد میں واقعتاً جلسہ بپا تھا، علامہ صاحب نے جاتے ہی عقیدۂ ختم نبوت پر زوردار دلائل کے ساتھ خطاب فرمایا اور ابھی خطاب جاری تھا کہ ٹرین کے حادثہ کی اطلاع ملی، واقعہ یہ ہوا کہ علامہ صاحب کے اتر جانے کے بعد وقت مقررہ پر جب خیبر میل روانہ ہوئی تو آگے جاکر مخالف سمت سے آنے والی ایک دوسری ٹرین کے ساتھ اس قدر خطرناک تصادم ہوا کہ اس حادثہ میں کم و بیش ڈیڑھ سو سے زائد افراد جاں بحق ہوئے تھے، قریشی صاحب کے بقول یہ قیام پاکستان کے بعد سب سے پہلا بڑا حادثہ تھا۔ علامہ صاحب فرماتے تھے کہ ختم نبوت کے صدقہ میں اور ان مسلمان نوجوانوں کے اخلاص کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے محفوظ رکھا، اور رستے میں کھڑے ان نوجوانوں کا اصرار ایک لحاظ سے باعث رحمت ثابت ہوا۔

۱۹۶۲ء، جب علامہ صاحب کو امام لاہوری رحمہ اللہ کے انتقال کی خبر ملی

علامہ صاحب فرماتے تھے کہ میں نیلا گنبد مسجد میں حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ کے ساتھ موجود تھا کہ اچانک حضرت کاندھلوی رحمہ اللہ میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمانے لگے، خالد محمود

آج آسمانوں پر فرشتوں کی بڑی چہل پہل ہے، بلکہ ہلچل ہے۔ اللہ جانے کیا ماجرا ہے؟ ابھی ہم واپس کمرے میں آ کر بیٹھے ہی تھے کہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے انتقال کی خبر ملی، تب حضرت مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ کا مکاشفہ سمجھ میں آیا، گزشتہ سطور میں علامہ صاحب کی تحریر سے ہی یہ بات گزر چکی ہے جس میں فرمایا کہ میں نے زندگی کے آخری دس سالوں میں حضرت لاہوری رحمہ اللہ کے ہمراہ دور دراز کے شہروں، صوبوں اور قصبوں کے اسفار کیے۔ علامہ صاحب پر اللہ تعالیٰ کا ایک خاص کرم یہ بھی تھا کہ جوانی کے عالم میں آپ اکابرین کے نہ صرف نورِ نظر بن گئے تھے بلکہ آپ کے اجتہادی و فقہی اور علمی مقام پر معاصرین علماء کبار کو بھرپور اعتماد بھی تھا، حضرت لاہوری رحمہ اللہ ہی کے حکم سے علامہ صاحب نے سیالکوٹ کی سکونت ترک کی تھی اور لاہور آ کر قیام فرمایا تھا، اس کی مکمل روداد بھی گزر چکی ہے۔ ذہن نشین رہے کہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ کا وصال مؤرخہ ۲۳، فروری ۱۹۶۲ء بروز جمعۃ المبارک شب ساڑھے نو بجے ہوا تھا اور عشاء کی نماز میں حالت سجدہ کے اندر روح پرواز کر گئی تھی۔ (امام لاہوری نمبر، ہفت روزہ ''خدام الدین'' ۱۹۷۹ء، صفحہ ۳۰)

علامہ صاحب کے والد گرامی کی وفات (۱۹۶۲ء)

۱۹۶۲ء میں علامہ صاحب کے والد بزرگوار ''پیر محمد غنی'' کا انتقال ہوا، اور ان کی تدفین میانی قبرستان میں حضرت لاہوری رحمہ اللہ کے مرقد مبارک سے چند گز کے فاصلے پر ہوئی۔

پیر ''محمد غنی'' مرحوم کے اعلیٰ بخت کے کیا کہنے کہ جنہیں ''علامہ خالد محمود'' جیسی اولاد نصیب ہوئی۔ مرحوم اپنے نام کے ساتھ ''صابری'' تخلص لکھتے تھے، گورنمنٹ برطانیہ دور میں محکمہ تعلیم میں اعلیٰ عہدے پر فائز رہے، اور اپنے تمام بچوں کو بساط سے کہیں بڑھ کر دینی و دنیاوی تعلیم سے آراستہ فرمایا۔ معروف نظمیہ بزرگ جناب حافظ نور محمد انور مرحوم نے ''جذباتِ غم'' کے نام سے ۱۶، صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ میں ''پیر محمد غنی'' کو منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا تھا۔

۱۹۶۲ء میں علامہ صاحب کا قادیانیوں سے یادگار مناظرہ

۱۸، ستمبر ۱۹۶۲ء اور ۲۳، ستمبر ۱۹۶۲ء کو یکے بعد دیگرے مال روڈ لاہور پر واقعہ قادیانیوں کے تبلیغی مرکز سے متصل ایک بلڈنگ میں علامہ صاحب کے دو مناظرے ہوئے تھے۔ پہلے مناظرہ میں قادیانیوں کے مرکز اعلیٰ جامعہ ربوہ کے سابق صدر قاضی نذیر احمد مقابلہ میں آئے اور ۲۳، ستمبر کو جلال الدین شمس (مبلغ مرزائیت، لندن) مقابلہ میں آیا، ان دونوں مناظروں میں علامہ صاحب نے دلائل و براہین کی طاقت سے قادیانی مناظرین کو ایسا رسوا کیا کہ متذکرہ مناظرے ہمیشہ کے لیے یادگار بن گئے، اور علامہ صاحب کی زندگی میں ۱۹۶۲ء کے سن میں پیش آنے والے چند اہم واقعات

میں سے یہ بھی ہیں۔ یہ مناظرہ اصلاً مولانا عبدالقادر روپڑی مرحوم نے اپنے رفقاء کے ہمراہ قادیانیوں کے ساتھ طے کیا تھا، مگر انعقاد مناظرہ سے ایک دن قبل مولانا عبدالغفار روپڑی مرحوم، مولانا محمد الیاس حضروی رحمہ اللہ کی مسجد پٹولیاں میں گئے اور کہا کہ آپ علامہ صاحب کو اس مناظرہ کے لیے آمادہ کریں۔ کیونکہ قادیانیوں کے سربرآوردہ مناظرین آرہے ہیں۔ جس وقت یہ حضرات علامہ صاحب کے مکان واقع سنت نگر میں آئے تو عین اسی وقت علامہ صاحب کالج سے چھٹی کر کے گھر میں داخل ہو رہے تھے اور آپ کے ہاتھوں میں طلبہ کے پیپرز کا ایک بڑا سا بنڈل تھا جسے علامہ صاحب نے چیک کرنا تھا۔ مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ کا علامہ صاحب کے ساتھ مضبوط دوستانہ تھا، اور آمد لاہور کے بعد سب سے پہلے علامہ صاحب کے دینی و مذہبی محاذوں پر اعانت کرنے والوں میں آپ رحمہ اللہ کا شمار ہوتا تھا۔ جب ان حضرات نے مناظرے کی بابت بات کی تو علامہ صاحب فرماتے تھے میں نے باہر کھڑے کھڑے پیپرز کا بنڈل اندرونِ خانہ بھجوایا اور کھڑے قدموں پر ہی واپس ان حضرات کے ساتھ چل پڑا۔ کاتب السطور نے طفلانہ سوال کیا، کیا آپ کی تیاری تھی؟ حضرت علامہ صاحب نے بڑی لے اور لہر میں آکر فرمایا: ''ہاں تیاری تھی، الحمد للہ۔ ہمارا کیا ہے، گھڑی پہ ٹائم دیکھ لیا اور بات کہہ دی۔'' اس مناظرہ میں علامہ صاحب کی گفتگو کو قلمبند کرنے والے حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ تھے اور انہی کی ضبط کردہ روداد ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور میں بالاقساط شائع ہوئی تھی، اس سلسلہ میں ہم کچھ گزارشات آمدہ سطور میں کریں گے (ان شاء اللہ) اس مناظرہ میں اہل حدیث علماء کی ایک بڑی تعداد بھی موجود تھی اور قادیانی مناظرین کے ساتھ منور لطف اللہ ایڈووکیٹ بھی تھا، سامعین میں مال روڈ لاہور کے بڑے تجار متعین مقدار میں موجود تھے، یہ مناظرہ ہفت روزہ ''دعوت'' کے علاوہ اسی دور میں علامہ صاحب نے بھی ''نصرت الاسلام'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع کر دیا تھا۔ اگر ہمیں طوالت کی فکر دامن گیر نہ ہوتی تو ہم مکمل یہ مناظرہ یہاں نقل کر دیتے، مگر اس کے باوجود اس کے چند مقامات پیش کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ پیش کردہ اس نمونہ میں علامہ صاحب کے علم لدنی، قوت حافظہ، استحضار، ملکہ حاضر جوابی اور ندرت فہم کا ایک جھلک دیکھی جاسکے۔ البتہ اس سے متعلقہ ایک یادداشت جو علامہ صاحب سنایا کرتے تھے، ملاحظہ کیجیے۔ علامہ صاحب فرماتے تھے کہ ہم نے مقامِ مناظرہ پر جا کر مرزا غلام احمد قادیانی کی تصنیف کردہ کتابیں میز پر لگانا شروع کیں تو قاضی نذیر احمد، قادیانی مناظر نے کہا، علامہ صاحب پہلے شرائط کا مطالعہ کرلیں، ہم نے روپڑی صاحب کے ساتھ جو شرائط طے کی ہیں ان میں یہ لکھا ہے کہ مرزا صاحب کی کتابیں نہیں، صرف قرآن و حدیث کو پیش کیا جائے گا، اس لیے آپ شرائط مناظرہ کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ علامہ صاحب نے فی البدیہہ جواب دیا، مناظرہ میں مرزا صاحب کی کتابیں از روئے شرائط پیش نہیں کی جاسکتیں،

مگر میز پر تو لگائی جاسکتی ہیں! اس لیے میز پر ان کتابوں کو لگانے کا شرائط کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔اب اس مناظرہ کی چند جھلکیوں کا نظارہ کیجیے۔

قاضی نذیر احمد قادیانی۔ ہم حضور ﷺ کو خاتم النبیین مانتے ہیں، اس طرح کہ آپ ﷺ پہلے کے سب نبیوں کے مصدق تھے اور آپ کے بعد واقعی کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو آپ ﷺ کی شریعت کو منسوخ کردے، مسیح موعود کا آنا دونوں فریقوں میں مسلّم ہے، آپ ہی کہتے ہیں کہ وہ مسیح ناصری آسمان سے اتریں گے، حالانکہ آسمان سے اترنے کا کہیں ذکر نہیں، اور ہم یہ کہتے ہیں کہ مسیح موعود اسی امت کا ایک فرد ہے کہ جس میں حقیقت عیسوی اتری ہوگی۔ پس جس طرح آپ خاتم النبیین کے بعد بھی ایک نبی کی آمد جائز قرار دیتے ہیں اور یہ ختم نبوت کے خلاف نہیں۔تو ہم مسیح موعود کو نبی اللہ مان کر ختم نبوت کے مخالف کیسے ہوگئے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو تشریعی نبی تھے جب وہ آپ کے اعتقاد کے مطابق قیامت سے پہلے تشریف لائیں گے تو کیا ان کی نبوت سلب ہو جائے گی؟ اور سلب نہیں ہوگی تو کیا ان کی نبوت ختم نبوت کے خلاف نہ ہوگی؟ بخلاف اس کے ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اسی امت کا ایک فرد مسیح موعود کا مقام پائے گا۔ اس صورت میں وہ بغیر مہر توڑنے کے نبی کہلائے گا کیونکہ وہ امتی نبی ہے۔ مستقل شریعت والا مسیح ناصری نہیں۔

علامہ خالد محمود سیالکوٹی ......حضرات فریق مخالف کی طرف سے بار بار یہ کہا جا رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی ختم نبوت کے خلاف کیوں نہیں؟ حضرات پہلے ہمارا عقیدہ سن لیجیے پھر مسئلہ زیر بحث پر غور کیجیے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم جو آنحضرت ﷺ سے پہلے کے پیغمبر ہیں وہ قربِ قیامت میں آسمان سے نزول فرمائیں گے اور ان کی یہ آمد علاماتِ قیامت میں سے ہوگی، جب تشریف لائیں گے تو بدستور نبی ہوں گے، ان سے نبوت ہرگز مسلوب نہ ہوگی۔ لیکن اس وقت ان کی نبوت یہاں نافذ نہ ہوگی بلکہ اس لیے وہ حضور ﷺ کی شریعت کے تابع ہوں گے کہ یہ دور، دورِ محمدی ہے۔ وہ اس طرح امتی بن کر رہیں گے۔ مثال سے یوں سمجھئے کہ جس طرح ضلع منٹگمری کا ڈپٹی کمشنر کسی سرکاری کام کے لیے لاہور آجائے تو وہ ڈپٹی کمشنر بدستور ہوگا، اسے ڈپٹی کمشنر کی مراعات اور تکریمات بھی حاصل ہوں گی۔ لیکن اس کی ڈپٹی کمشنری یہاں لاہور میں نافذ نہ ہوگی۔ بلکہ وہ یہاں کے ڈپٹی کمشنر کے احکامات کے تابع ہوگا۔ اسی طرح یقین کیجیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی اللہ تو ہوں گے مگر ان کی نبوت اس آمد ثانی پر نافذ نہ ہوگی بلکہ وہ حضور ﷺ کی شریعت کے تابع اور امتی ہوں گے۔ قاضی صاحب کا یہ کہنا کہ مسیح ناصری کی آمد ختم نبوت اور حدیث لا نبی بعدی کے خلاف ہے، صحیح نہیں، اس لیے کہ ختم نبوت اور حدیث لا نبی بعدی کی رو سے حضور ختمی مرتبت ﷺ

کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔ اور کسی کو نئی نبوت ملے گی نہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو حضور ﷺ سے قبل نبی ہو چکے اور پھر فوت ہو گئے، اب ان میں سے کوئی زندہ ہو تو حضور ﷺ کی ختم نبوت قائم نہیں رہتی۔ جس طرح اس ہال میں لوگ باری باری آئے۔ اور کئی جاتے بھی رہے۔ تو جو آخر میں داخل ہوا وہ خاتم الداخلین تو ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے آنے والے سب مر چکے ہیں یا جا چکے ہیں، اس کے آخر میں آنے کو ان امور میں سے کوئی لازم نہیں۔ مرزا غلام احمد اپنے ماں باپ کی آخری اولاد تھے، جیسا کہ لکھتے ہیں کہ ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام جنت تھا اور پہلے وہ پیٹ سے نکلی تھی اور بعد اس کے میں نکلا تھا اور میرے بعد میرے والدین کے گھر میں اور کوئی لڑکی یا لڑکا پیدا نہیں ہوا اور میں ان کے لیے خاتم الاولاد تھا (تریاق القلوب، ص ۱۵۷) تو مرزا صاحب کے خاتم الاولاد ہونے کا اگر یہ مطلب نہیں کہ ان کے پہلے سب بھائی بہن مر چکے تھے اور وہ والدین کے پاس پھر آتے جاتے نہ تھے تاکہ مرزا صاحب کا خاتم الاولاد ہونا غلط نہ ہو جائے تو حضور خاتم النبیین ﷺ کی ختم نبوت کا یہ مطلب کیسے نکل آیا کہ اگر حضور ﷺ سے پہلے کا کوئی نبی زندہ ہو تو اور پھر اس کا آنا جانا بھی ہو تو اس سے ختم نبوت قائم نہ رہے گی، ہاں آنے جانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کی اپنی نبوت نافذ نہ ہو بلکہ وہ تابع ہو کر رہے۔

قاضی نذیر احمد قادیانی۔ علامہ صاحب یہ کہیں ثابت نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہی مسیح ناصری آسمان سے اتریں گے، آسمان سے اترنے کا آپ نے کوئی ثبوت نہیں دیا، حضرت، وہ اسی امت میں پیدا ہوں گے اور مسیح موعود امتی نبی ہوں گے۔ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ یہ تھا کہ میں امتی نبی ہوں وہ صاحب شریعت نبی ہرگز نہیں اور انہیں نبی تسلیم کرنے سے ختم نبوت نہیں ٹوٹتی۔

علامہ خالد محمود...... قاضی صاحب آپ موضوع سے فرار کیوں کر رہے ہیں؟ اصل موضوع ختم نبوت ہے، مسیح ناصری کی آمدِ ثانی نہیں۔ (درمیان میں لاتعداد حوالے پیش کرنے کے بعد، سلفی) آپ کا یہ کہنا کہ ختم نبوت پر ہمارا اصلی نزاع نہیں، ایک مسیح کا آنا تو آپ بھی مانتے ہیں یہ اصل موضوع سے فرار ہے جب تک آپ ختم نبوت کے اسلامی معنوں کا اقرار نہ کرلیں یا اپنی شکست کا اقرار نہ لکھ دیں، مسیح موعود کے موضوع پر ہم قطعاً الجھنے کو تیار نہیں۔ آپ پہلے مناظرہ میں اپنی شکست کا اعلان کر دیں پھر میں اسی مجلس میں دوسرے موضوع پر بھی مناظرہ کرنے کو تیار ہوں۔

علامہ صاحب کی اس بات پر پورا ہال تالیوں اور نعروں سے گونج اٹھا، تب مرزائی مناظر نے کہا:

قاضی نذیر احمد...... مولانا آپ اب لوگوں سے تالیاں لگوا کر ہمیں مرعوب کرنے کی کوشش نہ کریں، آپ نے ابھی تک ملا علی قاری کی عبارت کا جواب نہیں دیا، آپ یونہی خوامخواہ مرزا صاحب کی عبارات پیش کر رہے ہیں۔ (جاری)

ابطالِ باطل

قسط:80

ماہ نامہ ''افکارِ العارف لاہور'' کے جواب میں

تلبیسات کے اندھیروں میں حقیقت کے چراغ

مولانا حافظ عبدالجبار سلفی

اہل سنت والجماعت سوادِ اعظم ہے اور ظہورِ اسلام سے اب تک ہر زمانہ میں ان کی تعداد دنیا بھر میں سب سے زیادہ رہی ہے۔ اس تناسب سے ان کے مکاتبِ فکر، مدارس، مساجد، خانقاہیں، علماء کرام اور سلسلہ تصانیف بھی اہلِ تشیع سے کہیں زیادہ ہے۔ جو حضرات اس وہم میں مبتلا ہیں کہ امامی علماء کی کتب بہت زیادہ ہیں، اگر وہ اہل سنت کے تقابل میں انہیں ''کثیر'' قرار دیتے ہیں تو بالکل غلط ہے اور اگر باقی فرقہائے ضالہ کے مقابلہ میں کہتے ہیں تو کسی حد تک درست مانا جاسکتا ہے۔ سو جب ذخیرہ علم اور رجال کا اہل سنت کے بہت زیادہ ہیں تو ان کے نظری وفکری اختلافات اور باہم تبادلہ افکار و آراء بھی بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ اب امامی علماء کی ایک عادتِ پارینہ ہے کہ انہیں کسی قدیم اور ضخیم کتاب میں سے کوئی ایک آدھ بات اپنے مطلب کی مل جاتی ہے تو وہ اسے ''الزامی جواب'' کہہ کر اپنی تائید میں اہل سنت کے سامنے پیش کر دیتے ہیں، قطع نظر اس سے کہ اس بات کا صاحبِ کتاب کے پاس کیا مفہوم ہے؟ یا جمہور اہل سنت کے مقابلہ میں وہ بات کتنی وزن رکھتی ہے؟ وہ صاحب کتاب کا تفرد ہے یا پڑھنے والے کا تسامح وتجہل؟ یا کسی امامی عالم کے......فہم سے کشید کردہ نتیجہ ہوتا ہے؟ ان ساری باتوں سے بے پرواہ ہو کر وہ مرغ کی ایک ٹانگ ہی ہانکتے چلے جاتے ہیں۔ اور ان کی اپنی حالت یہ ہے کہ اذان میں کلمہ شہادت ثالثہ یعنی ''اشھدان امیرالمومنین'' وغیرہ کا اضافہ شیعہ کی کتب صحاح میں سے صحیح ترین کتاب میں مفوضہ جماعت کا لعنتی مفروضہ قرار دیا گیا ہے۔ یعنی اذان میں اس کلمہ کے پڑھنے کی محدثین شیعہ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ پاکستان بھر کی ساری شیعہ اذانوں میں عدم ثبوت اور واضح ممانعت کے باوجود یہ کلمہ دہرایا جاتا ہے، گویا محدثین شیعہ کے ہاں یہ سارے ہی لعنتوں کے حقدار بنتے دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح شیعہ مذہب کی اساسی کتب میں دو ہزار سے زائد روایات سے ثابت ہے کہ موجودہ قرآن مجید کی حیثیت محض ''بیاضِ عثمانی'' کی سی ہے اور صحابہ کرامؓ نے اس میں ردوبدل اور ترمیم وتحریف کی ہے (العیاذ باللہ) مگر اس کے باوجود امامی علماء کی نفسیاتی مرض ملاحظہ ہو کہ وہ فرماتے ہیں نہیں موجودہ

قرآن پر ہمارا ایمان تو ہے مگر ہمارے جن اکابر کا ایمان نہیں تھا ہم انہیں بھی مسلمان ہی کہتے ہیں، خوب، واہ کیا خوب!

عجیب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں　　صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں

زنجیر زنی، ماتم و تعزیہ داری، سیاہ ماتمی لباس، ذوالجناح و دُلدل وغیرہ وغیرہ سب جُہاں رافضیوں کے گھڑنتو ہیں مگر آج امامی علماء بھی اپنے مذہب کی بقاء اسی گلے میں پنہاں سمجھتے ہیں۔ متعہ کے زیرِ عنوان عصمتوں کی تاراجی، تبرا کے نام سے زبانوں کو متعفن کرنا اور تقیہ کے زیرِ پردہ سچ کی خوشبوؤں کو مٹھی میں بند کرنے کی تمام تر غیر فطری اور غیر عقلی نظریات انہیں امامی علماء کے وضع کردہ ہیں۔ اور پھر ظلم یہ کہ ان غیر قانونی اور غیر اسلامی ہتھیاروں سے مسلح یہ امامی دستے اس سارے سسٹم کو اہل بیت نبی ﷺ سے منسوب کرتے ہیں۔ ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے عقائد و نظریات کا ثبوت خود اپنی کتابوں میں بھی نہیں ملتا، اور اگر ہم اپنے جمہور علماء امت کے مقابلہ میں کسی ایک بزرگ کے تفرد کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو امامی ترجمان کے کپڑوں کو آگ لگ جاتی ہے۔ اور وہ یوں احتجاج کرتے ہیں سلفی صاحب کے کیا کہنے؟ ایک طرف تو ابن حزم کے بارے میں کہتے ہیں کہ ''اصول و فروع اور صفات وغیرہ میں رد و بدل کرنا اُن (ابن حزم اندلسی) کے مزاج کا حصہ بن گیا تھا، جبکہ دوسری طرف انہی کے نام کے ساتھ پورے اہتمام کے ساتھ ''رحمہ اللہ'' کے دعائیہ کلمات لکھتے نظر آتے ہیں۔ اب خدامی حضرات خود ہی بتائیں کہ سلفی صاحب کی تلبیسی پالیسی کے متعلق کیا کیا جائے؟ ہمیں تو ان کے نام سے جڑا لفظ سلفی ﷫ بھی مضحکہ خیز دکھائی دیتا ہے۔ اسلاف کی پیروی تو درکنار یہ اپنے ''حضرت اقدس'' کے نظریات کی اتباع نہیں کرتے اور ان کی تحریر کے اکثر مندرجات ''حضرت اقدس'' کے نظریات سے متصادم نظر آتے ہیں۔'' (ماہنامہ افکار العارف، صفحہ نمبر ۴۶، مارچ ۲۰۱۵ء، لاہور)

امامی ترجمان کے دل و دماغ میں خدا خدا کر کے بصیرت کے برقی قمقمے جلنے لگے ہیں اور وہ ہماری یعنی اہل سنت کی کتابیں پڑھ کر کچھ نہ کچھ سیانی باتیں کرنے کی کوشش کرنے لگے ہیں۔ اس پر ہمیں خوشی ہے۔ مگر دانش ور کہتے ہیں کہ بازو ٹوٹ جائے تو اپنے ہی گلے پڑتا ہے۔ امامی ترجمان بے چارے بھی اپنی نافہمی اور مذہبی لقب کے وجہ سے کچھ ایسی ہانک جاتے ہیں کہ جواب میں اہل حق کے دلائل کی تاب نہیں لا سکتے اور تھک ہار کر بلکہ ٹوٹ کر اہل تشیع ہی کے لیے دردسر بن جاتے ہیں۔ مولانا محسن علی نجفی صاحب قبلہ کو اگر جامعۃ الکوثر اسلام آباد کے اہتمام سے کسی قدر فرصت ملے تو ذرا وہ اپنے اس ترجمان کے بزعم خویش دلائل کا جائزہ تو لے لیں۔ کیونکہ ہمیں تو نہ صرف موصوف بلکہ امامی ذخیرہ علم سارے کا سارا مضحکہ خیز ہی دکھائی دے رہا ہے۔ (جاری ہے)

احقاقِ حق قسط:۴

قبر کی حقیقت

حضرت مولانا منیر احمد منور صاحب مدظلہٗ

عالم برزخ سے عالم مثال مراد نہیں

محدث دہلوی وغیرہ حضرات کی اس وضاحت سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس ''جگہ عالم برزخ کا مصداق عالم مثال نہیں'' کیونکہ عالم مثال میں جو جسم ہے نہ وہ دریا میں غرق ہوتا ہے نہ اس کو جلایا جاتا ہے نہ اس کو درند، چرند، پرند کھاتے ہیں لہٰذا شرعی قبر کی تعریف میں قبر اور عالم برزخ کا مصداق وہ جگہ ہے جہاں عنصری جسم ہے یا جہاں عنصری جسم غرق ہوا یا جس جگہ عنصری جسم کے سوختہ یا خوردہ اجزاء ہیں اور اگر کسی بزرگ نے زیر بحث مسئلہ میں عالم برزخ کا مصداق عالم مثال یا عالم مثال کی قبر کو بنایا ہے تو یہ ان کی وضاحت ان سب تصریحات کے خلاف ہے جن میں عالم برزخ والی تعبیر کا مقصد غرق شدہ یا سوختہ یا خوردہ اموات کی قبور کو شرعی قبر کی تعریف میں داخل کرنے کی صراحت اور وضاحت ہے اور مذکورہ بالا حرق، غرق وغیرہ حالات عنصری جسم کو پیش آتے ہیں مثالی جسم کو پیش نہیں آتے۔ نیز عالم برزخ کے اس مصداق کے مطابق قبر شرعی کی سب تعبیرات میں تطبیق اور یکسانیت پیدا ہوجاتی ہے اور اگر عالم برزخ کا مصداق عالم مثال یا مثالی جسم کو قرار دیا جائے تو قبر شرعی کی تعبیرات میں تضاد پیدا ہوجاتا ہے اس اعتبار سے بھی عالم برزخ کا مصداق بجائے عالم مثال یا مثالی جسم کے عنصری جسم یا اس کے غرق شدہ یا سوختہ یا خوردہ اجزاء کی جگہ کو بنانا زیادہ مناسب ہے۔ اس لیے ان بزرگوں کی یہ وضاحت ان کا تفرد یا تسامح ہے یا مجاز پر محمول ہے یا صرف ان منکرین عذاب قبر کو لاجواب کرنے کے لیے ہے جو ضدی، کینہ ور اور معاندین ہیں۔ اس کی مزید وضاحت آگے آرہی ہے۔

سوال حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنی کتاب اشرف الجواب اور اپنے مختلف خطبات میں فرماتے ہیں کہ قبر عالم مثال یا جسم مثالی یا علیین وسجین ہے۔

جواب ① حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے متعدد مقامات میں واضح طور پر لکھا اور فرمایا ہے کہ عالم مثال اور جسم مثالی کے ثبوت پر قرآن وحدیث میں کوئی صریح نص موجود نہیں، یہ صوفیہ کا کشف ہے اور کشف بالاتفاق حجت نہیں، حتیٰ کہ خود صاحب کشف کے حق میں بھی حجت نہیں۔ جب کشف شرعی

طور پر حجت نہیں تو صوفیہ کے کشفی قول کو کسی عقیدہ کے لیے بنیاد کیسے بنایا جا سکتا ہے اور کشفی قول کی وجہ سے قرآن وحدیث کی صریح نصوص اور صریح دلائل کو کیسے چھوڑا جا سکتا ہے؟ جب قرآن وحدیث میں صراحتاً ارضی قبر کو قبر کہا گیا ہے جیسا کہ اس پر دلائل گزر چکے ہیں تو محض صوفیہ کے کشفی قول (جو شرعاً حجت نہیں اور ہے بھی قرآن وحدیث کے خلاف) کی وجہ سے بلا دلیل محض اپنے خیال وگمان سے قرآن وحدیث کی نصوصِ صریحہ اور دلائل متواترہ میں عرفی قبر اور مجازی قبر کی تاویل کر کے قرآن وحدیث کے صریح مفہوم کو چھوڑنا اور چھوڑ کر کشفی قول کو ترجیح دینا اور عقیدے کی بنیاد بنانا، اس کا کیا جواز ہے؟ قرآن وحدیث کے ساتھ ایسا طرزِ عمل اختیار کرنا یقیناً علم وعقل، عدل وانصاف، دین وایمان اور قواعد شرعیہ کے تقاضوں کے خلاف ہے، یہ سب کچھ ان حضرات نے کیا ہے جن کے دعوے اور نعرے یہ ہیں ''ہمارے پاس رب کا قرآن ہے'' ''سب سے پہلے قرآن'' اور ''عقیدے کے لیے قرآن کی قطعی دلیل شرط ہے۔'' اے مہربانو! اے دوستو! انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ صاف اقرار کر لو کہ عالم مثال، جسم مثالی، علیین وسجین کے شرعی اور حقیقی قبر ہونے پر ہمارے پاس نہ قرآن ہے نہ حدیث ہے۔ ہاں ہمارے پاس صوفیائے کرام کا کشفی قول ہے جو عقائد میں تو کجا، مسائل میں بھی حجت نہیں ہوتا۔ اور اگر قرآن وحدیث کی کوئی ایک بھی صریح دلیل ہے تو درخواست ہے کہ وہ پیش کیجیے۔ مہلت تا قیامت۔

کشفی قول کی بنیاد پر اختیار کیے گئے عقیدے

پھر ستم بالائے ستم یہ کہ صوفیہ کے اسی کشفی قول کو بنیاد بنا کر ان حضرات نے مندرجہ ذیل عقیدے اختیار کیے ہیں۔ ① ارضی قبر حقیقی اور شرعی نہیں ہے ② ارضی قبر اور اس میں مدفون جسم عنصری کے ساتھ روح کا تعلق نہیں ہے ③ عالم مثال، جسم مثالی، علیین سجین شرعی قبر ہے ④ ارضی قبر کے اندر جسم عنصری میں حیات نہیں ⑤ ارضی قبر میں عذاب قبر نہیں ہوتا ⑥ ارضی قبر میں تمام انبیاء علیہم السلام کے اجسام مبارکہ بے جان اور شعور وعقل کے بغیر ہیں ⑦ قبر شریف کے پاس پڑھا ہوا درود وسلام نبی کریم ﷺ نہ سنتے ہیں اور نہ اس کا جواب دیتے ہیں ⑧ استشفاع عند قبر النبی ﷺ جائز نہیں ⑨ نبی پاک ﷺ کی مدینہ والی قبر جنت اور باغ جنت نہیں ہے ⑩ نبی کریم ﷺ کا دنیوی جسم مبارک جنت میں نہیں، صرف روح جنت میں ہے۔ ہماری اپنے ان مہربانوں سے درخواست ہے کہ وہ اپنے دعوے اور اپنے نعرے کے مطابق مندرجہ بالا اپنے دس عقیدوں پر قرآن کریم کی دس صریح قطعی الدلالت آیات یا صریح اور قطعی الدلالت احادیث پیش کریں۔

سوال کیا حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے یہ لکھا ہے کہ عالم مثال اور جسم مثالی صوفیہ کا کشف ہے اور کشف حجت نہیں ہوتا؟

جواب حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے متعدد مقامات میں یہ دونوں باتیں لکھی ہیں، اس کا ثبوت ذیل میں ملاحظہ کیجیے:

① اب رہی یہ بات کہ جسم انسانی کون سا ہے جس کے اندر شہداء کی روحیں حلول کر کے حواصل طیور خضر میں سوار ہوں گی، آیا وہ یہی جسم عنصری ہے یا کوئی دوسرا جسم ہے؟ اس کی تحقیق کے لیے کشف کی ضرورت ہے، کیونکہ نص اس سے ساکت ہے، اہل کشف کو معلوم ہوا ہے کہ عالم برزخ میں انسان کو جسم مثالی عطا ہوتا ہے جو اسی جسم عنصری کے مشابہ ہے (خطبات ج ۱، ص ۴۱۳، وعظ ترجیح الاخرۃ۔ نیز اشرف الجواب ص ۴۸۴، حصہ سوم)۔

② اہل کشف کو معلوم ہوا ہے کہ برزخ میں عذاب وثواب ارواح کو جسم مثالی کے ذریعہ سے ہوتا ہے (حوالہ سابقہ)

③ صوفیہ اس کے قائل ہوئے ہیں کہ دوسرا بدن جو مشابہ اسی بدن عنصری کے ہوتا ہے عالم برزخ میں دیا جاتا ہے......سب عذاب وثواب اس پر ہوتا ہے (خطبات ج ۱۷، ص ۳۱۳، وعظ روح العج والثج)

④ اصل چیز اللہ رسول کی اطاعت ہے باقی کشف وکرامات وغیرہ یہ چیزیں کوئی کمال نہیں ایسے عجائب اہل باطل سے بھی صادر ہو جاتے ہیں (ملفوظات ج ا ص ۲۱۲)

⑤ فرمایا کہ بعض کشف ہی ایسا ہوتا ہے کہ اس میں بالکل احتمال غلطی کا نہیں ہوتا مگر پھر بھی شرعا حجت نہ ہوگا...... اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ ایک شخص رمضان کی ۲۹ تاریخ کو عید کا چاند دیکھتا ہے اور دیکھنا ظاہر ہے کہ حسی طور پر کوئی اشتباہ نہیں، پھر اس پر یہ بھی واجب ہوگا کہ قاضی سے جا کر ظاہر کرے۔ مگر اتفاق سے اور کوئی شہادت نہ تھی اس لیے قاضی نے کہہ دیا کہ حجت نہیں تو اس صورت میں باوجود اس کے کہ اس نے خود دیکھا اور بلا اشتباہ دیکھا مگر پھر بھی خود اس کے لیے بھی حجت نہیں چنانچہ یہ بھی روزہ وجوباً رکھے گا (یعنی اس کو بھی بوجہ عید کا چاند خود دیکھ لینے کے بعد افطار کرنا جائز نہیں بلکہ روزہ ہی رکھنا واجب ہے کیونکہ شہادت شرعی سے چاند ثابت نہیں ہوا) ایسے ہی اگر کسی کو کشف ہو اور بالکل بلا تلبیس مگر پھر بھی عدم تلبیس مستلزم نہیں حجت کو شیخ اکبرؒ بعض کشوف میں تلبیس کی نفی فرماتے ہیں مگر غلطی سے یہ مشہور ہو گیا کہ وہ کشف بلا تلبیس کو حجت سمجھتے ہیں ان کے قول

میں یہ کہیں تصریح نہیں کہ بعض حجت ہے پس مذہب منصور سب کے نزدیک یہ ہی ہے کہ کشف حجت نہیں (ملفوظات ج ۳، ص ۲۱۶ ۔ ۲۱۷)

⑥ فرمایا کہ شیخ اکبر رحمہ اللہ سے منصوص ہے کہ بعض کشف میں تلبیس بالکل نہیں ہوتی مگر یہ تلبیس نہ ہونا مستلزم حجیت کو نہیں یعنی اگر کشف بلا تلبیس بھی ہو تب بھی حجت نہیں جیسا کہ کوئی شخص ۲۹ رمضان کو عید کا چاند دیکھ لے مگر تفرد کی وجہ سے اس کی شہادت مقبول نہ ہو تو خود اس کو بھی اس رؤیت پر عمل جائز نہیں یعنی صبح کو روزہ رکھنا واجب ہوگا۔ (ملفوظات ج ۳، ص ۲۶۶)

⑦ قواعد شرعیہ سے ثابت ہے کہ کشف والہام کوئی حجت نہیں (ملفوظات ج ۹، ص ۷۷)

⑧ ان کشفوں سے کیا جی خوش ہو کشف کوئی حجت شرعی نہیں بڑی چیز تو شریعت ہے اور کسی چیز کا اعتبار نہیں (ملفوظات ج ۹ ص ۱۷۹)

⑨ اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اگر کشف کوئی قابل التفات چیز ہوتی تو شارع علیہ السلام ہم کو اس کی تعلیم دیتے (ملفوظات ج ۱۲، ص ۱۳۴)

⑩ فرمایا آئمہ کرام کا قیاس جنید وشبلی کے کشف والہام سے ہزار مرتبہ مقدم ہے (ملفوظات ج ۱۵ ص ۲۲۹) جب قیاس سے عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا تو کشف والہام جو ہزار درجے قیاس سے کم ہے اس سے عقائد کیسے ثابت ہو سکتے ہیں؟۔

⑪ کشف والہام کوئی حجت شرعی نہیں اس کے ذریعہ شریعت کے کسی قاعدہ میں ترمیم یا استثناء نہیں ہو سکتا (ملفوظات ج ۲۴ ص ۵۹)

⑫ ارشاد فرمایا کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی تحقیق اگرچہ یہ ہے کہ مشائخ کاملین کے کشف والہام میں غلطی نہیں ہوتی۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے فرمایا ہے کہ جو علم کسی امتی کو کشف والہام کے طریقے سے حاصل ہوتا ہے وہ مستحکم قابل اطمینان نہیں بلکہ مکمل اطمینان اس علم پر ہو سکتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے واسطے سے ملتا ہے (ملفوظات ج ۲۴ ص ۱۳۴)

⑬ فرمایا بعض صوفیاء اس کے قائل ہیں کہ جنت میں ایک جنت ہے اس میں نہ حور ہیں اور نہ قصور۔ صرف یہ ہے۔ رب ارنی ارنی۔ فرمایا غلط ہے۔ اگر کشف ہے تو بھی غلط نصوص کے خلاف ہے (ملفوظات ج ۲۶ ص ۴۷۰)

عجیب بات

عجیب بات ہے کہ جو کشفی قول قرآن وحدیث کے خلاف ہے اس کی بنیاد پر بعض لوگوں نے دس عقیدے اختیار کر لیے (جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے) لیکن سماع موتی اور مردے کے ادراک کا عقیدہ جس پر اہل کشف متفق ہیں اور وہ قرآن وحدیث کے بھی موافق ہے اس کو شرک قرار دیتے ہیں، اہل کشف کے اس اتفاقی عقیدے کے لیے درج ذیل حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں۔

① فرمایا کہ مسئلہ سماع موتی میں فقہاء کا اختلاف ہے مگر اہل کشف سماع کے وجود پر متفق ہیں (ملفوظات ج ۲۴ ص ۲۲۷) ② ایک صاحب نے سماع موتی کے متعلق دریافت کیا فرمایا کہ اہل کشف تو عموماً سماع موتی کے قائل ہیں اور اس مسئلہ میں انہیں کا معتقد ہوں کیونکہ مجھے ظن غالب ہے کہ موتی سنتے ہیں (ملفوظات ج ۲۵ ص ۱۲۹) ③ فرمایا اہل کشف متفق ہیں کہ مردہ کو ادراک ہوتا ہے یہ مسئلہ کشفی اور ظنی ہوا اہل ظاہر اس میں اختلاف کرتے ہیں (ملفوظات ج ۲۶ ص ۴۴۶)۔

جواب ② (قبر کا مجازی معنیٰ)

لغت اور عرف کے اعتبار سے قبر کا حقیقی معنیٰ ہے۔ مَدْفَن الْمَيِّت یعنی میت کے دفن کرنے کی جگہ اور شرعی اعتبار سے قبر کا حقیقی معنیٰ ہے موت کے بعد جس عنصری یا جسد عنصری کے اجزاء کی جائے قرار جس کو عالم برزخ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، جس میں جائے دفن یعنی زمینی قبر بھی شامل ہے۔ قبر کا ایک اور معنیٰ بھی کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ عالم مثال یا عالم مثال میں جسمِ مثالی جو روح کے لیے بمنزلہ ظرف کے ہے یا علیین وسجین، لیکن قبر کے لغوی، عرفی اور شرعی معنیٰ کے مقابلہ میں یہ معنیٰ مجازی ہے کیونکہ ① یہ بات تفصیل سے گذر چکی ہے کہ عالم دنیا میں راحت وتکلیف کا اولاً تعلق جسم کے ساتھ ہوتا ہے پھر روح وجسم کے درمیان اتصال وتعلق کی وجہ سے وہی راحت وتکلیف روح کو بھی پہنچتی ہے جب کہ عالم برزخ میں معاملہ اس کے برعکس ہے وہاں اولاً راحت وتکلیف روح کو پہنچتی ہے اور چونکہ عالم برزخ میں روح اور جسم عنصری کے درمیان تعلق ہوتا ہے اس لیے بواسطہ روح وہی راحت وتکلیف جسم عنصری کو بھی پہنچتی ہے خواہ وہ مدفون ہو یا غیر مدفون، اور چونکہ روح ایک لطیف جسم اور ہوائی چیز ہے اس لیے بذات خود روح نہ کچھ کر سکتی ہے اور نہ بلاواسطہ براہِ راست عذاب وثواب کا محل بن سکتی ہے اس لیے روح کے افعال میں اور عذاب وثواب میں جسم آلہ ہوتا ہے اسی لیے عالم دنیا میں جسم عنصری کے واسطہ سے روح کو راحت وتکلیف پہنچتی ہے اور عالمِ برزخ میں جسم عنصری اور

روح کے درمیان تعلق کے باوجود ہر ایک کا محل جدا جدا ہوتا ہے بایں وجہ عالم دنیا کی طرح جسد عنصری بعض حضرات کے نزدیک واسطہ نہیں بن سکتا اس لیے روح کو راحت و تکلیف پہنچانے کے لیے جسد عنصری کے مثل ایک اور جسم ان لوگوں نے کشفی طور پر یا منکرین قبر کے دفاع جواب کے طور پر تسلیم کیا ہے اسی لیے اس کو جسمِ مثالی کہا جاتا ہے یہ جسم مثالی خود مثاب یا معذب نہیں ہوتا، ہاں! روح کے مثاب یا معذب ہونے میں واسطہ بنتا ہے۔ جیسا کہ آلہ ضرب اور آلہ، عذاب خود مضروب نہیں ہوتا بلکہ عذاب میں محض واسطہ ہوتا ہے، بعینہٖ یہی حیثیت جسم مثالی کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جرائم اور معاصی کے ارتکاب میں روح اور جسم عنصری شریک ہوتے ہیں دونوں مل کر جرم کرتے ہیں، جسم مثالی کسی درجے میں بھی جرم و معصیت میں شریک نہیں ہوتا تو وہ معذب کیوں ہو؟ اس لیے عذاب قبر میں مقصود ہوتا ہے روح اور جسم عنصری کو عذاب دینا لیکن درمیان میں جسم کو مثالی کو آلہ عذاب کی طرح واسطہ بنایا جاتا ہے روح کو عذاب دینے کے لیے۔ اس لیے بعض حضرات نے عالم مثال کو، بعض نے جسم مثالی کو مجازاً قبر کہہ دیا اور روح کے عذاب کو مجازاً عذاب قبر کہہ دیا اور چونکہ روح کا تعلق ہوتا ہے جسم عنصری یا جسم عنصری کے اجزاء کے ساتھ، وہ اجزاء جس حالت میں بھی ہوں اس لیے بواسطہ روح وہ عذاب جسم عنصری اور اس کے اجزاء کو بھی ہوتا ہے اور حقیقی عذاب قبر وہی ہے جو روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔

② چونکہ جسم مثالی کو عذاب دینا مقصود نہیں ہوتا بلکہ روح کو عذاب دینا مقصود ہوتا ہے لیکن روح ہوتی ہے جسم مثالی میں اسی وجہ سے ان حضرات نے جسمِ مثالی کو مجازاً قبر اور روح کے عذاب کو عذاب قبر کے ساتھ تعبیر کر دیا ہے گویا جسم مثالی روح کے لیے بمنزلہ قبر کے ہے اور جسم مثالی کے واسطہ سے جو روح کو عذاب ہوتا ہے وہ عذاب قبر ہے، یہ سب تعبیرات مجازی ہیں۔

③ اس قول کے قائلین یہ بھی کہتے ہیں کہ جسم مثالی کی جگہ علیین یا سجین ہے اور علیین جنت میں ہے، سجین دوزخ میں ہے اور ظاہر ہے کہ جنت اور دوزخ میں حقیقتاً نہ قبریں ہیں نہ قبرستان ہیں لیکن جیسے جسم عنصری یا جسم عنصری کے اجزاء کی جائے قرار ان کے لیے ظرف ہے ایسے ہی جسم مثالی روح کے لیے ظرف ہے اس لیے جسم مثالی کو بھی مجازاً قبر کہہ دیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ بعض مرتبہ کسی وصف میں اشتراک کی بناء پر کسی چیز پر مجازاً ایک لفظ بول دیا جاتا ہے جیسے شیر اور زید کے درمیان بہادری مشترک صفت ہے۔ زید کو مجازاً شیر کہہ دیا جاتا ہے۔ کفار، معاندین اور مُردوں کے لیے قرآن کا سُنتا غیر نافع ہے۔ اس عدم نافعیت والے وصفِ اشتراک کی وجہ سے قرآن کریم میں کفار معاندین کو مجازاً موتی کہا گیا ہے۔ انك لاتسمع الموتیٰ۔ بعینہٖ اسی طرح جسم عنصری یا جسم

عنصری کے اجزاء کی جائے قرار ان کے لیے ظرف ہے اور ادھر جسم مثالی یا علیین سجین بھی روح کے لیے ظرف ہیں۔ اس ظرفیت والی مشترک صفت کی وجہ سے عالم مثال جسم مثالی اور علیین وسجین کو بھی بعض حضرات نے مجازاً قبر کہہ دیا ہے، ورنہ حقیقتاً قبر وہ ہے جہاں جسم عنصری یا جسم عنصری کے اجزاء ہیں اور حقیقتاً عذابِ قبر وہ ہے جو روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔

④ حقیقتاً قبر مُردہ کے لیے ہوتی ہے اور وہ بدن عنصری ہے جو عالم دنیا کے اعتبار سے قیامت تک ہمیشہ مُردہ ہے۔ جب کہ روح قیامت تک زندہ ہے اور زندہ کے لیے قبر نہیں ہوتی۔ اس لیے موت کے بعد جس جگہ عنصری جسم یا اس کے اجزاء ہیں وہ حقیقی قبر ہے اور جس جگہ روح ہے وہ عالم مثال ہو یا جسم مثالی ہو یا علیین وسجین ہو اس کو قبر کہنا مجازاً ہے۔

عجیب بات

عجیب بات ہے کہ جسم عنصری مدفون ہو یا غیر مدفون اس کی جائے قرار کو قرآن وحدیث میں قبر کہا گیا اور صحابہ کرام، تابعین عظام اور علماء امت نے بھی اس کو قبر کہا ہے، وہ تو بن جائے قبر مجازی اور غیر شرعی قبر اور عالم مثال یا جسم مثالی یا علیین وسجین جس کو کہیں بھی قرآن وحدیث میں قبر نہیں کہا گیا اور نہ اس کے قبر ہونے پر قرآن وحدیث کی کوئی دلیل ہے، محض بعض حضرات کا کشفی قول یا منکرین عذاب قبر کے جواب کے لیے دفاعی قول ہے اس کو حقیقی قبر اور شرعی قبر کہا جائے۔ اس کی مزید تفصیل عذابِ قبر کے بیان میں ہوگی۔

جواب ③: بعض عقل پرست لوگوں نے عذابِ قبر کا اس وجہ سے انکار کیا کہ ان کو بعض آیات واحادیث کے ظاہر سے یہ دھوکا ہوا کہ قبر صرف اور صرف میت کی جائے دفن کا نام ہے، اس بنیاد پر انہوں نے سوچا کہ بعض اموات کو یہ دفن والی قبر نصیب نہیں ہوتی جیسے کسی کو بکس میں رکھ دیا، یا درخت کے ساتھ لٹکا دیا، یا جلا کر راکھ بنا کر دریا میں بہا دیا، یا ہوا میں اڑا دیا، یا میت کو چرند پرند نے کھا لیا، تو ان کے خیال کے مطابق ان کو قبر ہی نصیب نہیں ہوئی تو ان کو عذابِ قبر کیسے ہوگا، اس وجہ سے انہوں نے عذابِ قبر کا انکار کر دیا اور عذابِ قبر کے قائلین پر بھی انہوں نے یہی اعتراض کرنا شروع کر دیا۔ اہل سنت والجماعت کی طرف سے اس کا اصل جواب تو یہ ہے کہ قبر صرف زمینی گڑھے کا نام نہیں بلکہ جسم یا اجزائے جسم کی جائے قرار کا نام ہے وہ جہاں بھی ہوں اور جس حالت میں ہوں وہی ان کی قبر ہے اور ان کو وہیں عذاب وثواب ہوتا ہے۔ لیکن یہ جواب عقل پرستوں کے لیے تسلی

بخش ثابت نہ ہوا تو بعض علماء نے یہ سوچا کہ مطلقاً عذابِ قبر کا انکار کفر ہے لہٰذا ان عقل پرستوں کو سمجھانے کے لیے ان کو کفر سے بچانے کے لیے ایسی تعبیر اختیار کی جائے کہ قبر اور عذابِ قبر ان کو سمجھ آ جائے اور کفر سے بچ جائیں، چنانچہ انہوں نے کہا کہ قبر عالم مثال یا جسم مثالی یا علیین اور سجین کا نام ہے اور اس جگہ جو روح کو عذاب ہوتا ہے وہ عذابِ قبر ہے، اس کو ان عقل پرستوں نے بھی مان لیا اور وہ کفر سے بچ گئے، ان علماء حضرات نے جسم عنصری اور اجزائے جسم عنصری کی جائے قرار کے قبر ہونے کا اور اس میں جسم عنصری اور اجزائے جسم عنصری کے معذب یا منعم ہونے کا انکار نہیں کیا تھا، صرف انہوں نے منکرین عذاب کو کفر سے بچانے کے لیے یہ مجازی تعبیر اختیار کی کہ یہ بات عقل پرستوں کی عقل میں آسانی سے آسکتی ہے اور وہ اس طرح کفر سے بچ جائیں گے۔ اگرچہ صرف روح کے لیے عذاب قبر کو ماننا اور جسم عنصری کے لیے عذاب کو نہ ماننا بھی گمراہی اور فسق ہے مگر کفر نہیں۔ اور فقہاء کرام نے ایک اصول لکھا ہے من ابتلی ببلیتین فلیختر اھونھما جب کوئی آدمی دو ناگزیر مصیبتوں میں مبتلا ہو جائے تو ان میں سے اس مصیبت کو اختیار کرے جو زیادہ آسان ہو۔ فقہاء کرام کے ارشاد فرمودہ اس حکیمانہ اصول کے مطابق دانشور اہل علم حضرات کے مختلف مواقع پر اس اصول کی رعایت رکھی ہے۔ چنانچہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں ''مجھے معلوم ہوا کہ کانپور کے گردونواح میں بعض دیہات کے نومسلم راجپوت مرتد ہونے والے ہیں، آریہ ان کو بہکا رہے ہیں، میں نے اپنے احباب میں سے کچھ علماء اور رؤسا کو ساتھ لیا اور موضع گجنیر میں قیام کیا جو سب دیہات میں بڑا گاؤں تھا۔ پھر وہاں سے دو دو تین عالموں کو متفرق دیہات میں تبلیغ کے لیے بھیجا گیا اور ان کے چودھریوں کو بھی بلایا اور کہا بھائی ہم نے سنا ہے کہ تم آریہ ہونے والے ہو، اگر کوئی اسلام کے متعلق شبہ ہو تو رفع کر لو، ایک نے جواب دیا کہ ہم آریہ کیوں ہوتے، چودھریوں میں ایک کا نام نونسنگھ تھا، دوسرے کا نام ادھار سنگھ تھا، ادھار سنگھ نے کہا ہم آریہ کیسے بنت، ہمارے یہاں تو تاجیہ (تعزیہ) بنت ہے، میں نے سن کر کہا دیکھو تعزیہ مت چھوڑنا، وہ کہنے لگے! جی بھلا ہم کب چھوڑنے لگے۔ بعض علماء کو خیال ہوا کہ میں نے مسلمانوں کو ایک بدعت کی اجازت دے دی ہے، میں نے کہا بس چپکے بیٹھے رہو، یہ کانپور اور لکھنو میں بدعت ہے مگر یہاں فرض ہے کیونکہ اس جگہ تعزیہ ہی ان لوگوں کے دین کی حفاظت کا ذریعہ ہے، ابھی تو ان لوگوں کا تعزیہ بناتے رہنا ہی ان کے اسلام کا محافظ ہے، پھر رفتہ رفتہ یہ پکے مسلمان ہو جائیں گے، اس وقت بدعت وسنت کی تعلیم دے دینا [ملفوظات حکیم الامت ج ۴، ص ۲۲۷]۔ اسی طرح حضرت مولانا اشرف علی

تھانوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے لیے کسی بڑے مفسدے کے دفع کرنے کے لیے کسی خفیف مکروہ کے ارتکاب کو بھی جائز رکھا جاتا ہے، جب کہ اس کے ذریعے سے کسی گناہِ کبیرہ سے بچانا منظور ہو [تفاضل اعمال، خطبات ج ۱۸، ص ۲۸۱]۔ تو ہوسکتا ہے حضرت حکیم الامت اور چند دیگر علماء نے روح کی جائے قرار یعنی عالم مثال اور جسم مثالی کو مجازاً قبر اور روح کے عذاب کو عذابِ قبر کہہ دیا کہ یہ بات ان عقل پرستوں کی سمجھ میں جلدی آسکتی تھی، اس سے وہ کفر سے بچ جائیں گے، پھر رفتہ رفتہ جسم عنصری کے عذابِ قبر کے بھی قائل ہو جائیں گے۔

فقہاء کرام اور حکمائے اسلام کا تحریر کردہ مذکورہ بالا اصول خود ساختہ نہیں، بلکہ قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے اور لکل آیۃ ظہر وبطن [مشکوۃ ج ۱ ص ۳۵] (ہر آیت کے ظاہر میں بھی علم ہے اور باطن میں بھی) کے مطابق قرآن و حدیث کے باطنی اور مخفی علوم میں سے ہے۔ ① حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام جب کشتی میں سوار ہوئے تو حضرتِ خضر علیہ السلام کو علم ہوا کہ آگے ایک ظالم بادشاہ ہے جو ہر صحیح و سالم کشتی غصب کر لیتا ہے، حضرت خضر علیہ السلام نے صاحبِ سفینہ کو اس ناقابل تلافی بڑے نقصان سے بچانے کے لیے کشتی کا ایک تختہ توڑ کر کشتی کو عیب ناک کر دیا تاکہ کشتی والا اس چھوٹے نقصان (جو کہ قابل تلافی ہے) کی وجہ سے بڑے نقصان سے بچ جائے۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تختہ توڑنے پر شروع میں اعتراض ہوا، لیکن جب ان کو اس کی حکمت بتائی گئی تو وہ بھی مطمئن ہوگئے [پارہ ۱۶۔ سورۂ کہف آیت: ۷۱-۷۹] ② اگر کسی مؤمن کو کفار نے کہا کہ آپ زبان سے کہیں کہ فلاں بت اللہ کا شریک ہے اور بت کو سجدہ بھی کر، ورنہ ہم تجھے قتل کر دیں گے، اگر وہ استقامت دکھائے اور عزیمت پر عمل کرے کہ کفر یہ کلمہ بھی نہ کہے اور بت کو سجدہ بھی نہ کرے اور قتل ہو جائے تو وہ شہید ہے لیکن اگر اس کا دل توحید باری تعالیٰ پر پورے شرحِ صدور کے ساتھ مطمئن اور عقیدۂ توحید پر پختہ ہو لیکن جان بچانے کے لیے وقتی طور پر زبان سے یہ کلمۂ کفر کہہ دے اور بت کو سجدہ بھی کر لے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی رخصت و اجازت دی ہے [پارہ ۱۴۔ سورۂ نحل آیت ۱۰۶] ایک موحد مؤمن کا کفار کے ہاتھوں ظلماً قتل ہو جانا دنیا کے اعتبار سے ناقابل تلافی عظیم نقصان ہے، اس کے مقابلہ میں توحید پر سو فیصد سے بھی زیادہ دل مطمئن ہو لیکن وقتی طور پر اس اضطراری حالت میں زبان سے کلمۂ کفر کہنا اور بت کو سجدہ کر لینا چھوٹا نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بڑے نقصان سے بچانے کے لیے چھوٹے گناہ کی اجازت دی ہے ③ اگر خاوند بیوی کے درمیان یا نسبی یا ایمانی دو بھائیوں کے درمیان اختلاف و نزاع کی صورت پیدا ہوئے اور کوئی جھوٹی بات بنائے بغیر ان کے درمیان صلح

ناممکن ہوتو ان کے درمیان صلح کرانے کے لیے جھوٹی بات بنانے کی اجازت ہے، کیونکہ خاوند بیوی اور بھائیوں کے درمیان اختلاف و نزاع بڑا نقصان ہے اور ان کے درمیان رفع نزاع و صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولنا چھوٹا نقصان ہے، جس کی خود نبی کریم ﷺ نے دریں صورت اجازت دی ہے، فرمایا لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس [بخاری ج۱، ص ۳۷۱] وہ آدمی جھوٹا نہیں جو (جھوٹ بول کر) لوگوں کے درمیان صلح کراتا ہے اور یہ سب لوگوں کا مشاہدہ ہے کہ جتنے آپریشن ہوتے ہیں ان کی بنیاد یہ ہے کہ کسی بڑے نقصان کا خطرہ ہوتا ہے تو اس سے بچنے کیلیے کسی ماہر سرجن ڈاکٹر کو بھاری فیس دے کر مال اور آپریشن کا چھوٹا نقصان برداشت کیا جاتا۔

قبر کے مجازی معنی کرنے کی ایک وجہ تو آپ حضرات کے سامنے آچکی یعنی منکرین عذاب قبر کو روحانی طور پر عذاب قبر کا قائل کر کے حتی الامکان ان کو کفر سے بچانا، قبر کے مجازی معنی کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر زمانہ کے اہل حق یعنی اہل السنۃ والجماعۃ علماء نے اپنے اپنے زمانہ میں پیش آمدہ باطل کے مقابلہ میں اصلاحِ احوال کے لیے حکمتِ عملی اور مصلحت کے طور پر وہ تعبیر اختیار کی جو اُس وقت مناسب تھی۔ مثلاً محدثین حضرات کو زیادہ واسطہ پڑا کرامیہ اور مرجیہ کے ساتھ جن کے ہاں عمل کی کوئی اہمیت نہ تھی، مرجیہ کا مشہور قول ہے ان المعصیۃ لاتضر مع الایمان کما ان الطاعۃ لاتنفع من الکفر، ایمان کی حالت میں معصیت مضر نہیں جیسا کہ کفر کی حالت میں طاعت نافع نہیں، تو اُس وقت ضرورت تھی ان کے مقابلہ میں عمل کی اہمیت اجاگر کرنے کی، اس لیے محدثین نے کہا عمل ایمان کامل کا جزء ہے، یعنی عمل ہوگا تو ایمان کامل ہے ورنہ ایمان ناقص ہے، عمل زیادہ ہوگا تو ایمان بھی زیادہ ہوگا، عمل ناقص تو ایمان بھی ناقص، جب کہ متکلمین کو سابقہ پڑا معتزلہ کے ساتھ، اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ گناہ کبیرہ کی وجہ سے آدمی ایمان سے خارج ہوجاتا ہے، تو متکلمین نے اُن کے مقابلہ میں تعبیر یہ اختیار کی ایمان تصدیق کا نام ہے اور تصدیق باطن میں ہوتی ہے اس لیے اعمالِ ظاہرہ ایمان کا جزء نہیں اور گناہ کبیرہ سے تصدیق قلبی ختم نہیں ہوتی اور جب اعمال ایمان کا جزء نہیں تو عمل کے ترک سے اور گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے ایمان ختم نہیں ہوتا، کیونکہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے، وہ ترکِ عمل کے باوجود دل میں باقی ہے، پس اسی طرح اہل سنت والجماعت کے کچھ علماء کو واسطہ پڑا معتزلہ کے ساتھ، جو بعد از وفات روح کے لیے عذاب کے قائل تھے، دنیاوی جسم کے لیے عذاب کے قائل نہ تھے، وجہ یہ کہ بعض اموات کو جلا دیا جاتا ہے، بعض کو چرند پرند کھا جاتے ہیں، تو اُن کا کہنا یہ تھا کہ ان کی قبر ہی نہیں تو ان کو عذابِ قبر کیسے ہوگا، اس شبہ کی وجہ سے

انہوں نے ارضی قبر اور ارضی قبر میں جسم عنصری کے لیے عذابِ قبر کا انکار کر دیا اور روح کے لیے عذابِ قبر کے قائل ہو گئے۔ علماء اہل سنت نے جواب دیا کہ شرعی طور پر قبر اُس جگہ کا نام ہے جس جگہ میت کا جسم عنصری یا اُس کے اجزاء ہوں، وہ جس حالت میں بھی ہوں اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے اُن میں اتنا احساس و ادراک پیدا کر دیتے ہیں جس کے ساتھ وہ راحت و تکلیف کا ادراک کر سکے اور راحت و تکلیف پہنچانے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے لیے انسانی ڈھانچہ شرط نہیں اور بعض علماء اہل سنت کو واسطہ پڑا اُن لوگوں کے ساتھ جو کلیۃً عذابِ قبر کے منکر تھے، اُن کے انکار کرنے کی وجہ بھی وہی تھی جو معتزلہ کے انکار کی وجہ بنی، صرف اتنا فرق ہے کہ معتزلہ روح کے لیے عذاب کے قائل تھے لیکن یہ دوسرے درجہ کے منکرین روح کے لیے بھی عذاب کے قائل نہ تھے تو ان کے مقابلے میں علماء اہل سنت نے قبر کے مجازی معنیٰ والی تعبیر اختیار کی کہ قبر عالم مثال یا جسم مثالی یا علیین و سجین کا نام ہے جہاں روح ہے اور روح زندہ ہے اور جہاں روح ہے وہی قبر ہے اور روح اور جسم مثالی کے لیے عذابِ قبر ہے۔ یہ تعبیر اس لیے اختیار کی گئی کہ شاید ان کو یہ بات سمجھ آجائے، وہ اس کو مان لیں تو کم از کم کفر سے بچ جائیں گے ورنہ یہ علماء بھی جسم عنصری یا جسم عنصری کے اجزاء کے لیے حیات اور عذابِ قبر اور ثوابِ قبر کے قائل تھے، صرف اتنا فرق ہے کہ روح کے لیے عذاب و ثواب اصالۃً ہے اور جسم عنصری یا جسم عنصری کے اجزاء کے لیے تبعاً ہے۔

مخالفین کے لیے ان علماء کا یہ انداز ایسا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مشرکین کو سمجھانے کے لیے ایک عجیب انداز اختیار کیا، ایک بڑا ستارہ دیکھا تو کہا ھـٰذا ربی (یہ میرا رب ہے) اور جب وہ غروب ہو گیا تو کہا کہ میں غروب ہونے والوں کو رب نہیں مانتا، پھر جب چاند کو دیکھا تو کہا ھٰذا ربی (یہ میرا رب ہے) جب وہ بھی غروب ہو گیا تو فرمایا اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ دیتا تو میں گمراہوں میں سے ہوتا، پھر سورج طلوع ہوا تو کہا ھٰذا ربی (یہ میرا رب ہے) کہ یہ تو ان سے بھی بڑا ہے اور بڑی روشنی والا ہے، جب یہ بھی غروب ہو گیا تو مشرکین کے باطل معبودوں سے براءت کا اعلان کر دیا۔ العیاذ باللہ ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ کہا ھٰذا ربی، یہ کوئی عقیدے کے طور پر نہیں تھا بلکہ محض ان مشرک جاہلوں کو سمجھانے کے لیے ایک انداز تھا۔ اسی طرح ان علماء نے بھی قبر اور عذابِ قبر کی مندرجہ بالا مجازی تعبیرات عقیدے اور مسلک کے طور پر اختیار نہیں کیں، بلکہ کلموا الناس علی قدر عقولھم کے تحت مخاطبین کی مصلحت کے طور پر ہے، نہ اس لیے کہ وہ جسم عنصری اور اجزائے جسم عنصری کی جائے قرار کے قبر ہونے اور اس میں عذاب ہونے کے منکر ہیں۔ (جاری)

رُکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

اخبار الخدام

تحریک خدام اہلِ سنت کی مرکزی سُنی کانفرنس

حافظ زاہد حسین رشیدی ☆

چکوال سے قریباً ۱۸ کلومیٹر کی مسافت پر ضلع کا معروف قصبہ ''بھیں'' آباد ہے جس کا نظریاتی شہرہ چار دانگِ عالم پھیلا ہوا ہے۔

سلطان المناظرین حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کا مولد و مسکن اور علمی سرگرمیوں کا مرکز یہی قصبہ رہا ہے۔ مرزائیت و رافضیت کے انسداد کے لیے آپ کی مساعی جمیلہ نے ''بھیں'' کو عالمِ اسلام میں متعارف کروایا۔ مجاہد اسلام غازی منظور حسین شہید کی پامردی اور مجاہدانہ بانکپن اور مولانا فیض الحسن فیضی کی علمی و ادبی خدمات بھی ''بھیں'' کے لیے تمغۂ امتیاز ہیں اور پھر قصبہ بھیں کا فخر و ناز حضرت دبیر رحمہ اللہ کے عالی قدر اور لائق فرزند قائد اہل سنت وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ، جنہوں نے پون صدی جس استقامت و پامردی سے ''دفاعِ صحابہؓ'' سمیت مسلک اہل سنت کی ترجمانی کا فریضہ سرانجام دیا وہ اہل دیانت کے ہاں مسلمہ ہے۔

تحریر و تقریر میں مخاطب کی ذاتیات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے دلائل و براہین کے ذریعے اپنے مدعیٰ کو پیش کرنا اور سماجی میل جول میں معاندین سے پہلو بچاتے ہوئے اپنے موقف کی اہمیت اجاگر کرنا آپ کا ایسا امتیاز ہے جو معاصرین میں کم کم پایا جاتا ہے۔

تحریک خدام اہل سنت والجماعت پاکستان کا قیام [۱۹ مئی......۱۹۶۹ء] آپ کی اسی امتیازی شان کا مظہر ہے۔ چنانچہ ابتداء ہی سے افراد کی قلت و کثرت اور جوش و جنوں کے بجائے اپنے ذوق سے مذہب اہل سنت کی دعوت و تبلیغ اور سُنی حقوق و مفادات کے لیے جدوجہد اپنے ذمے لے لی۔

چنانچہ تحریک خدام اہل سنت اپنے اسلاف کے طے شدہ خطوط پر اپنی بساط کے مطابق مصروفِ عمل ہے۔

☆ جنرل سیکرٹری تحریک خدام اہل سنت والجماعت پاکستان 0303-0543444

''بھیں'' کی عظمتوں اور قابلِ فخر تاریخ کو اجاگر کرتی خدام اہل سنت کی دو روزہ سالانہ مرکزی ''سُنی کانفرنس'' بھی ہے۔ جو امسال 11/12 ستمبر 2020ء اپنی روایتی شان و شوکت کے ساتھ منعقد ہوئی۔ چار سو لہلہاتے ''سُنی پرچم'' اور اہل سنت کے فلک شگاف نعرے خدام اہل سنت کے وجود اور امتیازی تشخص کی روشن دلیل ہیں۔ ملک بھر سے احباب انفرادی طور پر اور قافلوں کی شکل میں ۱۱ ستمبر ۲۰۲۰ء کی صبح چکوال جمع ہوئے اور یہاں سے مرکزی ''سنی قافلہ'' ظہر سے قبل ''بھیں'' پہنچا، دو روز جاری رہنے والی سُنی کانفرنس میں شرکت کرنے والے احباب کے قیام و طعام کی خدمت میں ''اہلیانِ بھیں'' ہمیشہ کی طرح پیش پیش رہے۔

امیر مرکزیہ جانشین قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی محمد ظہور الحسین اظہر اور آپ کے جوان سال و جواں ہمت فرزند صاحبزادہ قاضی محمد ظاہر حسین جرار نے بھی حقِ میزبانی میں کوئی کسر روا نہ رکھی۔ یوں اپنے آباء و اجداد کے ورثہ کو سینے سے لگائے رکھنا اور اس کی آبیاری کرتے ہوئے ہر قربانی کے لیے خود کو پیش کر دینا کم ہی بعد والوں کو نصیب ہوتا ہے۔

ہوکیوں نے کسی دیوار میں دَر رکھا تھا
میرے آباء نے جب اس خاک پہ سر رکھا تھا
جسم اجداد کی قبروں سے نکلے ہی نہ تھے
نسل در نسل اسی خاک میں زر رکھا تھا
راہ تھی سرخ گلابوں کے لہو سے روشن
پاؤں رکھا نہیں جاتا تھا مگر رکھا تھا
چشمِ بینا میں وہ منظر ابھی تازہ ہے سعود
میرے آباء نے جب اس خاک پہ سر رکھا تھا

کانفرنس سے حسبِ ذیل علماء و مشائخ نے بالترتیب بیانات فرمائے جب کہ موقع بموقع شعراء و نعت خوان حضرات حمد باری تعالیٰ، نعت اور صحابہ کرامؓ کے حضور منقبت پیش کرتے رہے۔

★ حضرت مولانا نور محمد آصف مدظلہ ★ حضرت مولانا سید فاروق شاہ مدظلہ ★ حضرت مولانا مفتی محمد رضوان مدظلہ ★ حضرت مولانا محمد عمر قریشی مدظلہ ★ حضرت مولانا مفتی شہاب الدین پوپلزئی مدظلہ ★ حضرت مولانا محمد قاسم الحسینی مدظلہ ★ حضرت مولانا سید حسین احمد شاہ مدظلہ ★ حضرت مولانا سید معوذ شاہ کاظمی مدظلہ ★ حضرت مولانا محمد طاہر ریحان عباسی مدظلہ ★ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی

مدظلہ ★ حضرت مولانا سید معاویہ شاہ امجد مدظلہ ★ امیر مرکزیہ حضرت مولانا قاضی محمد ظہور الحسین اظہر مدظلہ ★ شیخ الحدیث حضرت مولانا حبیب الرحمٰن سومرو مدظلہ ★ حضرت مولانا محمد طیب حسن عسکری مدظلہ ★ حضرت مولانا عبدالجبار سلفی مدظلہ ★ حضرت مولانا حافظ محمد ابوبکر صدیق مدظلہ ★ حضرت مولانا مفتی محمد اویس عزیز مدظلہ ★ حضرت مولانا زاہد محمود قاسمی مدظلہ اور حضرت مولانا سینیٹر عطاء الرحمٰن صاحب مدظلہ۔

راقم الحروف کے ذمہ ''تحریک خدام اہل سنت والجماعت، تعارف و اہداف'' کا عنوان تھا۔ جس کے ذیل میں کی گئی گذارشات کا حاصل یہ ہے کہ:

''تحریک خدام اہل سنت والجماعت پاکستان کا قیام ۱۹ مئی ۱۹۶۹ء عمل میں لایا گیا۔ بانی تحریک حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین ؒ نے ابتداء ہی میں طے کر لیا تھا کہ ان کی جماعت میں افراد کی قلت و کثرت کو پیشِ نظر نہیں رکھا جائے گا۔ اسی لیے رکنیت سازی یا گنتی کے دوسرے مروجہ طریقوں سے ہمیشہ اجتناب کیا گیا، دوسری چیز بھی شروع سے ہی طے کر لی کہ وقتی اور ہنگامی احتجاج اور شور شرابہ کی حکمت عملی نہیں اختیار کی جائے گی۔ بلکہ جس قدر بھی احباب میسر ہوں مذہب اہل سنت والجماعت کی حقانیت وعظمت کو اجاگر کیا جائے گا اور جو عناصر کسی بھی اعتبار سے مسلک حقہ کی ساکھ کو نقصان پہنچانے کے درپے ہوں گے ان کی ریشہ دوانیوں کے سامنے دلائل و براہین کا بند باندھتے ہوئے حفاظتِ دینِ متین اور احقاقِ حق و ابطالِ باطل کا فریضہ سرانجام دیا جائے گا۔ نصف صدی سے زائد کا عرصہ تحریر و تقریر اور تحریک خدام اہل سنت کے اجتماعات کے ذریعے حضرت بانیٔ تحریک نے اپنے طے کردہ اہداف کے تعاقب میں گزارا۔ چنانچہ آپ کے وصال کے بعد بھی خدام اہل سنت امیر مرکزیہ جانشین قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی محمد ظہور الحسین اظہر مدظلہ کی قیادت میں اُنہی نقوش پر محنت کر رہی ہے۔ گویا:۔

بُجھ کر بھی کب بجھا ہے چراغ اس کی زیست کا
اب بھی ہے دل میں روشنی مظہر حسینؒ کی

سُنّی قراردادیں

حضرت امیر مرکزیہ مدظلہ کے خطاب سے قبل جب کہ اجتماع اپنے عروج پر تھا۔ راقم الحروف نے اربابِ اقتدار و اختیار کی توجہ کے لیے حسبِ ذیل قراردادیں پیش کیں۔ چنانچہ اہل سنت کے نمائندہ اجتماع نے جن کی بھرپور تائید کی۔ ملاحظہ کیجیے:۔

① وطنِ عزیز اسلامی جمہوریہ پاکستان اس وقت انتہائی حساس اور نازک دور سے گزر رہا ہے۔صدماتی کیفیت کا عالم یہ ہے کہ جس خطہ کی بنیاد ''لا الہ الا اللہ محمد رسول '' پر رکھی گئی اور جسے ''ریاستِ مدینہ'' سے تعبیر کیا جارہا ہے۔ وہاں نبی آخرالزمان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ختمِ نبوت کے دشمن نئی صف بندی کرتے ہوئے اپنا وجود منوانے کی ناپاک کوشش کررہے ہیں اور پارلیمنٹ تک پہنچنے کے لیے چور دروازے تلاش کر رہے ہیں۔ توہینِ رسالت کے کیسیز بڑھتے جارہے ہیں اوران کی پشت پناہوں کے حوصلے بھی بلند ہورہے ہیں۔

اہل سنت کا یہ نمائندہ اجتماع اس ناقابلِ برداشت صورتِ حال پرتشویش کا اظہار کرتے ہوئے اربابِ اقتدار کو متنبہ کرتا ہے کہ مرزائی اور ان کی پشت پناہ قوتوں کو لگام دی جائے۔ اگر آئین و قانون اپنے اختیارات سے صرفِ نظر کرے گا تو مسلمانوں کے ہر ہر گھر میں خالد غازی جیسے سرفروش موجود ہیں جو ناموسِ رسالت کے دشمنوں کے متعلق اپنا فیصلہ کرنے کا پورا حق اور جذبہ رکھتے ہیں۔

② یہ سُنی اجتماع حالیہ محرم الحرام کے دوران اسلام آباد و کراچی میں بالخصوص اور پورے ملک میں بالعموم سوشل میڈیا اور برسرِ منبر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس شخصیات کے متعلق ایک طبقے کی شرانگیز و توہین آمیز گفتگو اورلب و لہجے کی شدید مذمت کرتا ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار وہ جنتی اور پاکباز نفوس ہیں جنہیں قرآن وسنت نے اللہ کی رضاء اور نیکی و بھلائی کے ساتھ ذکر کیا ہے اور یہ مقدس طبقہ قیامت تک آنے والی انسانیت کے لیے چراغِ راہ، نمونہ ہدایت اور معیارِ حق ہے۔

لہٰذا ہماری اربابِ اقتدار سے اپیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت و ناموس کو یقینی بنایا جائے۔ پنجاب اسمبلی کی طرف سے متفقہ طور پر پاس ہونے والے ''تحفظ بنیادِ اسلام بل'' کو گورنر کے دستخطوں کے بعد آئین و قانون کا حصہ بنایا جائے اور اس پر سختی سے عمل درآمد کرواتے ہوئے مرتکبین کو قرار واقعی سزا دی جائے۔

③ اہل سنت کا یہ نمائندہ اجتماع ملکی سلامتی اور سیکورٹی پر مامور اداروں کی افادیت و ضرورت کو تسلیم کرتا ہے لیکن ماورائے عدالت اٹھائے جانے، لاپتہ اور سالہا سال غائب کیے جانے کے عمل پر شدید تحفظات رکھتا ہے۔ یہ مذموم طریقہ بنیادی انسانی حقوق اور آئین و قانون سے سراسر متصادم اور جنگل کے قانون کے مترادف ہے۔

اجتماع یہ اپیل کرتا ہے کہ فی الفور یہ غیر منصفانہ روش ترک کی جائے اور لاپتہ افراد کو فوراً

بازیاب کروایا جائے۔

④ یہ اجتماع وطنِ عزیز کی رواں حکومت کو نااہل اور نالائق تصور کرتا ہے۔جس کی نااہلیوں اور نالائقیوں کی بدولت ہم داخلی و خارجی ہر محاذ پر مسلسل ناکام ہو رہے ہیں۔ معاشی بدحالی، غربت اور مہنگائی اپنے عروج پر ہے اور ملک کی ترقیاتی و تعمیراتی رفتار یکسر رک گئی ہے۔ بدامنی اپنے عروج پر ہے۔جس کی واضح مثال حالیہ دنوں میں ایک لاچار خاتون کی بر سر راہ عصمت دری ہے۔

یہ سُنی اجتماع اس نازک صورتِ حال پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے اُن خفیہ ہاتھوں سے مطالبہ کرتا ہے [جن کی پشت پناہی کی بدولت یہ ملکی تاریخ کی ناکام ترین حکومت آخری ہچکولے لے رہی ہے] کہ وہ اپنی تبدیلی کے نئے تجربے کی ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے ان سے اپنا ہیچ الگ کر لیں اور عوامی امنگوں و حقیقی جمہوری روایات کے پیشِ نظر عوام کو اپنی صوابدید کے موافق حقِ انتخاب واپس لوٹایا جائے۔ تاکہ پاکستان ایک حقیقی، اسلامی، فلاحی اور جمہوری ریاست بن سکے اور پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو۔

اس کرم کا کروں شکر کیسے ادا

سُنی کانفرنس کی دو روزہ مصروفیات کے بعد اتوار کی شام واپسی پر برادرم مولانا عبدالجبار سلفی صاحب مدظلہ نے اپنا قابلِ فخر کارنامہ ''مظہرِ کرم'' عنایت فرمایا تو گویا سلفی صاحب نے بے دام خرید لیا۔

میرے دل کے دشت پر تو برکھا بن کے برسا ہے

''مظہر کرم'' حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی شخصیت و خدمات کے تعارف پر محیط ایک تفصیلی، تحقیقی اور تاریخی دستاویز ہے جو سلفی صاحب کی سالہا سال کی ریاضتوں کا ثمرہ ہے۔ موصوف لکھنے، کڑھنے اور جگر کا خون کرنے میں مہارت رکھتے ہیں۔ سود و زیاں سے بے نیاز نظریاتی جدوجہد سے عشق ہے اور خانوادۂ حضرت دبیر رحمہ اللہ پر تو سو جان سے فدا ہیں۔

''مظہر کرم'' یقیناً ان کے اپنے اوصاف کی آئینہ دار ہوگی۔ ان شاء اللہ

خانوادۂ حضرت دبیر رحمہ اللہ، وابستگان حضرت قائد اہل سنت اور مسلکی دردِ دل رکھنے والے جملہ اہل سنت کی طرف سے برادرم سلفی صاحب کو بہت بہت مبارک باد اور قبولیت و مقبولیت کے لیے جھولیاں بھر کر دعائیں۔

نوٹ: ''مظہر کرم'' پر تفصیلی تبصرہ قسط وار تحریر کیا جائے گا۔ **بتوفیق اللہ تعالیٰ دعونہ۔**

ماہنامہ حق چار یار لاہور
رجسٹرڈ نمبر CPL26